بانی ومہتمم :مفتی محمد رضا قادری نقشبندی مصباحی خلیفہ حضور شیخ العالم وسربراہ اعلیٰ علما کونسل نیپال
بفیض روحانی : مجمع الفضائل والبرکات،مظہر کمالات امام ربانی حضور شیخ العالم مولانا شاہ احمد رضا نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ
قیادت :قائد ملت نیپال حضرت مولاناالحاج سید غلام حسین مظہری مرکزی صدر علما کونسل نیپال

Reg.No: 5310 -2082/2083

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

Weekly
The NEPAL URDU TIMES

شمارہ نمبر ۵
ISSUE(5)

چیف ایڈیٹر: عبدالجبار علیمی نظامی
weeklynepalurdutimes@gamil.com

صفحات 13

3/ ستمبر 2026 مطابق 20 / ربیع الاول 1448ھ / 18 گتے بھادو 2083

جلد نمبر ۲
VOL:(2)

وزیر اعظم ریلیف فنڈ میں ابتک ۶ ارب ۳۶ کروڑ ۶۵ لاکھ ۵۱ ہزار ۲۲۷ روپے جمع

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
خصوصی نامہ نگار نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

گزشتہ دنوں نیپال میں سیلاب کی وجہ سے ملک کو ہونے والے مالی و جانی نقصانات کے بعد عالمی برادری نے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر امداد کے دروازے کھول دیے ہیں۔ وزیر اعظم کے مطابق وزیر اعظم ریلیف فنڈ میں اب تک ۶ ارب ۳۶ کروڑ ۶۵ لاکھ ۵۱ ہزار ۲۲۷ نیپالی روپے جمع ہو چکے ہیں۔وزیر اعظم کے مطابق ریلیف فنڈ کے ۹ کمرشل بینک اکاؤنٹس میں اب تک ۶ ارب ۳۶ کروڑ ۶۵ لاکھ ۵۱ ہزار ۲۲۷ روپے جمع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ۱ ارب روپے سیلاب متاثرہ علاقوں کے لیے جاری کیے جا چکے ہیں۔ فنڈ میں ابھی ۵ ارب ۳۶ کروڑ ۶۵ لاکھ ۵۱ ہزار ۲۲۷ روپے باقی ہیں۔ اس کے علاوہ ہمالین بینک اور لکشمی بینک میں ۶۱ لاکھ ۱۱ ہزار ۱۴۸ امریکی ڈالر بھی جمع ہوئے ہیں۔دوست ممالک کی امداد ۱: چین،۳۰ کروڑ روپے نقد ۵۰ ٹن امدادی سامان ۲: بھارت،۶۸.۵ ٹن ریسکیو سامان۔ بھارت کی ۱۱ رکنی ریسکیو ٹیم بھی نیپال میں امدادی کارروائیوں میں مصروف ۳:امریکا۵ لاکھ امریکی ڈالر۴: آسٹریلیا۱۰ لاکھ امریکی ڈالر۵: سری لنکا۱۰ لاکھ امریکی ڈالر۶: متحدہ عرب امارات ۳۸ ٹن امدادی سامان مزید ۱ کروڑ امریکی ڈالر تک تعاون کا وعدہ۷ پاکستان۸۶ ٹن امدادی سامان۸: سوئٹزرلینڈ۱۰ لاکھ سوئس فرانک کے مساوی تعاون کی توقع-بین الاقوامی اداروں کا تعاون، ۱:ایشیائی ترقیاتی بینک ۵۰ لاکھ امریکی ڈالر گرانٹ ۱ لاکھ ۵۰ ہزار ڈالر کی تکنیکی معاونت، عالمی بینک ۱۶ کروڑ ۷۰ لاکھ امریکی ڈالر کا رعایتی قرض، وزیر اعظم شاہ نے بتایا کہ برطانیہ، جاپان، یورپی یونین اور اقوام متحدہ کے مختلف اداروں کی جانب سے بھی امداد اور تعاون کا سلسلہ جاری ہے۔وزیر اعظم نے کہا کہ قدرتی آفت کی اس گھڑی میں دنیا بھر سے اٹھنے والے مدد کے ہاتھ سیلاب متاثرین کے لیے امید، حوصلے اور انسانیت کی روشن علامت بن گئے ہیں۔ حکومت کا کہنا ہے کہ ریسکیو، راحت اور بحالی کے لیے دوست ممالک، عالمی اداروں اور بین الاقوامی شراکت داروں کی جانب سے مالی معاونت اور امدادی سامان مسلسل نیپال پہنچ رہا ہے۔

وزیر اعظم بالین شاہ اور کابینہ کا ایک ماہ کی تنخواہ ریسکیو فنڈ میں دینے کا اعلان

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
خصوصی نامہ نگار نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

وزیر اعظم بالیندر (بالین) شاہ اور ان کی کابینہ نے ملک میں جاری حالیہ ہولناک سیلاب اور لینڈ سلائیڈنگ سے متاثرہ شہریوں کی امداد کے لیے اپنی ایک ماہ کی تنخواہ وزیر اعظم کے ڈیزاسٹر ریلیف فنڈ میں عطیہ کرنے کا باقاعدہ اعلان کیا ہے۔نیپال اس وقت حالیہ دہائی کے بدترین قدرتی سانحے سے گزر رہا ہے، جس کے بعد حکومت نے یکجہتی کے طور پر یہ قدم اٹھایا ہے۔وزیر اعظم بالین شاہ کی صدارت میں ہونے والے ہنگامی اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا۔ وزیر اعظم سمیت کابینہ کے تمام ۱۷ وزراء (جن کی اکثریت ۴۰ سال سے کم عمر نوجوانوں پر مشتمل ہے) اپنی ایک ایک ماہ کی تنخواہ ریلیف فنڈ میں دیں گے تاکہ متاثرہ خاندانوں کی بحالی شروع کی جا سکے۔ وزیر اعظم نے سوشل میڈیا پر جاری بیان میں کہا کہ "اپنے پیاروں، گھروں اور روزگار کو کھو دینے سے بڑا کوئی دکھ نہیں، ہم بنا کسی بہانے کے ریاستی مشینری کو جنگی بنیادوں پر متحرک کر چکے ہیں۔ہمالیہ کے گلیشیئر پھٹنے اور بھوٹے کوشی ندی میں طوفانی طغیانی کے باعث نیپال اور چین کے سرحدی علاقوں میں شدید تباہی ہوئی ہے۔ تازہ ترین سرکاری اعداد و شمار کے مطابق: ۹۰۰ سے زائد افراد لقمہ اجل بن چکے ہیں۔۴،۸۰۰ کے قریب لوگ اب بھی لاپتہ ہیں، جن کی تلاش کے لیے ریسکیو آپریشن جاری ہے۔بنیادی ڈھانچہ، ہائیڈرو پاور پلانٹس اور پورے کے پورے قصبے ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکے ہیں۔عوامی عطیات اور حکومتی فنڈز کے درست استعمال کے لیے وزیر اعظم بالین شاہ کی ہدایت پر (امدادی درخواست پورٹل) لانچ کیا گیا ہے۔ اس پورٹل کے ذریعے ملکی اور بین الاقوامی سطح سے آنے والے تمام عطیات کی تفصیلات کو مکمل طور پر شفاف رکھا جا رہا ہے۔رپورٹس کے مطابق، اب تک نیپال کے مختلف کمرشل بینکوں میں قائم اس فنڈ میں ۵ ارب نیپالی روپے سے زائد کی رقم جمع ہو چکی ہے

وزیر اعظم بالین شاہ کا بیدور کا ہنگامی دورہ، بجلی اور شاہراہیں فوری بحال کرنے کا حکم

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
خصوصی نامہ نگار نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو نیپال اور تبت کی سرحد پر واقع ہمالیائی سلسلے میں گلیشیئر پھٹنے سے آنے والے حالیہ تباہ کن سیلاب کے بعد، وزیر اعظم بالیندر شاہ (بالین شاہ) نے انفراسٹرکچر کے وزیر سنیل لمسال کے ہمراہ بدترین متاثرہ علاقے نواکوٹ کے بیدور شہر کا ہنگامی زمینی دورہ کیا۔ سڑکوں کی بندش اور خراب موسم کے باوجود وزیر اعظم بالین شاہ ۲۷ اگست کو زمینی راستے سے بیدور (نواکوٹ) پہنچے۔ انہوں نے سیلاب سے متاثرہ بستیوں کا خود جائزہ لیا اور حادثے میں زخمی ہونے والے شہریوں سے ملاقات کی۔انہوں نے مقامی انتظامیہ، سیکیورٹی اداروں اور عوامی نمائندوں کے ساتھ اعلیٰ سطح کا اجلاس کیا۔ وزیر اعظم نے بجلی، پلوں اور بند شاہراہوں کو ہنگامی بنیادوں پر بحال کرنے اور متاثرہ خاندانوں کو فوری امداد پہنچانے کا حکم دیا۔بالین شاہ نے سوشل میڈیا پر اپنے بیان میں اس آفت کو "ناقابلِ تصور اور دل دہلا دینے والا" قرار دیتے ہوئے نوجوان رضاکاروں، تاجروں اور مقامی گروپوں سے سرکاری امدادی مہم کا حصہ بننے کی اپیل کی۔حالیہ ترین رپورٹوں کے مطابق، نیپال اور تبت میں ہلاکتوں کی مجموعی تعداد ۹۵۵ سے تجاوز کر چکی ہے (صرف نیپال میں ۹۳۹ ہلاکتیں ریکارڈ ہو چکی ہیں)۔اب بھی ۳،۹۲۵ سے زائد افراد لاپتہ ہیں۔ لاپتہ افراد میں پن بجلی منصوبوں کے سرنگوں میں پھنسے ہوئے ۶۳۹ مقامی کارکن اور تقریباً ۵۹۰ غیر ملکی سیاح اور زائرین شامل ہیں۔سیلابی ریلے اپنے ساتھ مٹی، چٹانیں اور ملبہ بہا لائے جس سے پورا تریشولی بازار اور کئی بستیاں مٹ گئیں۔ ملک کے ۱۹ بڑے گاڑیوں کے پل اور ۴۳ کلومیٹر طویل اہم شاہراہیں مکمل طور پر بہہ چکی ہیں۔ کئی اسکول ملبے تلے دب گئے ہیں اور ۲۰۰ سے زائد طلبہ لاپتہ ہیں۔ نیپالی فوج، پولیس اور ڈیزاسٹر مینجمنٹ کی ٹیمیں ربڑ کی کشتیوں اور ہیلی کاپٹروں کے ذریعے لاشوں کو نکالنے اور پھنسے ہوئے لوگوں کو بچانے میں مصروف ہیں۔ اب تک ۳،۴۷۹،۱۱ سے زائد افراد کو ریسکیو کیا جا چکا ہے۔ نیپال کی درخواست پر بھارت کی ۱۸ فرانزک ماہرین کی ٹیم ڈی این اے ٹیسٹنگ کے لیے پہنچ چکی ہے۔ اس کے علاوہ نیپال نے امریکہ، سنگاپور اور چین سے لاشیں محفوظ رکھنے والے فریزر، ڈی این اے کٹس، ہائی کپیسیٹی ڈرونز اور بیلی برجز فراہم کرنے کی اپیل کی ہے

سیلاب زدہ علاقوں میں لوکل گورنمنٹ متحرک، بحالی کا کام سرگرمی سے جاری ہے: وزیر داخلہ

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
خصوصی نامہ نگار نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو وزیر داخلہ سودھن گرونگ کا کہنا ہے کہ حکومت سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں ریسکیو اور امدادی سرگرمیوں کے لیے تمام دستیاب وسائل اور ریاستی مشینری کو متحرک کر رہی ہے۔سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں مقامی حکومتیں (لوکل گورنمنٹ) اور امدادی ادارے سرگرمی سے بحالی اور ریلیف کے کاموں میں مصروف ہیں۔ حکومت کی جانب سے وفاقی، صوبائی اور مقامی محکموں کو الرٹ جاری کرتے ہوئے تمام دستیاب وسائل بروئے کار لانے کی ہدایات دی گئی ہیں تاکہ متاثرین کو بروقت امداد فراہم کی جا سکے۔ حالیہ دنوں میں بھوٹے کوشی اور تریشولی دریاؤں میں آنے والے شدید ترین سیلاب کے بعد وزیر داخلہ سودھن گرونگ خود گراؤنڈ پر موجود ہیں۔ وہ رسولوا کے مقام پر ہائیڈرو پاور پروجیکٹ کی سرنگوں میں پھنسے ہوئے افراد کو نکالنے کے لیے جاری ریسکیو آپریشنز کی ذاتی طور پر نگرانی اور رہنمائی کر رہے ہیں۔ تریشولی ہائیڈرو پاور ٹنل میں پھنسے ہوئے انجینئرز اور ملازمین کو نکالنے کے لیے نیپال آرمی، آرمڈ پولیس فورس اور تکنیکی ٹیمیں مسلسل ملبہ ہٹانے کا کام کر رہی ہیں۔ وزیر داخلہ کا کہنا ہے کہ ضرورت پڑنے پر اوپر سے ڈرلنگ کرنے کے متبادل طریقوں پر بھی غور کیا جا رہا ہے۔ متاثرہ خاندانوں اور بے گھر افراد کی مدد کے لیے کٹھمنڈو کے گوداموں سے امدادی سامان اور اشیائے ضروریہ سے لادے ٹرک متاثرہ اضلاع کی طرف روانہ کیے جا رہے ہیں۔ سیلاب اور لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے تباہ ہونے والے انفراسٹرکچر، سڑکوں، اور مواصلاتی نظام کو جلد از جلد بحال کرنے کے لیے خصوصی ٹیمیں متحرک کر دی گئی ہیں۔ آفات سے نمٹنے والے قومی ادارے اور سیکیورٹی فورسز کو ہائی الرٹ پر رکھا گیا ہے تاکہ خطرناک اور حساس ندی نالوں کے کناروں پر مقیم آبادیوں کو محفوظ مقامات پر منتقل کیا جا سکے

ءنیپال کے سیلاب زدگان کے لیے راحت رسانی میں تعاون کی اپیل

سرلاہی ملنگوا

ملک نیپال کے حالیہ آفت زدہ حالات کو دیکھتے ہوئے کل یعنی ۲۰۲۶ء۰۸ء۳۰ بروز اتوار کو ہم سات افراد کی ٹیم نے ضلع سرلاہی کے مختلف مقامات کا دورہ کیا، اور الحمد للہ صبح ۹ بجے سے رات ۱۰:۳۰ بجے تک ہم لوگ ۱۸ بستیوں میں پہونچ کر ملت کے ذمہ دار افراد، علماء، ائمہ اور نوجوانوں سے ملاقات کی۔

سب سے خوش آئند بات یہ دیکھی گئ کہ ہر جگہ مقامی حضرات اس مصیبت کی گھڑی اور انسانی دکھ درد کو محسوس کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ تعاون کے خواہاں تھے اور اپنے اپنے طور پر مالی امداد جمع بھی کر رہے تھے ،ہاں ہم لوگوں کے جانے سے مزید ترغیب ملی۔ اس سلسلے میں کہنا یہ ہے کہ ہم لوگوں کے جانے کا مقصد صرف دو تھا پہلا یہ کہ بتایا جائے مقامی لوگ جو امداد جمع کر رہے ہیں وہ راحت رسانی کے سازو سامان (غیر نقدی) صرف اسی صورت میں اکٹھا کریں جب کہ خود مقامی لوگ اپنے طور پر متاثرہ زدہ علاقوں میں جا سکتے ہوں اور اپنے مدارس اور بستی کے نام کے بینر تلے تقسیم کر سکتے ہوں ورنہ جمع شدہ سازو سامان کسی سیاسی لیڈر، نگر پالیکا یا غیر مسلم کی تنظیموں کے ذریعے ارسال نہ کیا جائے کیوں کہ اس صورت میں قوم مسلم کی محنت کا کریڈٹ شوشل میڈیا کے ذریعے لے جانے والے افراد لے لیں گے ساتھ ہی خورد برد کا اندیشہ بھی رہے گا۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ سازو سامان سے بہتر یہ ہے کہ نقد (کیش) جمع کیا جائے اور اپنے مقامی مدارس کے اکاؤنٹس (کھاتے) میں ڈال کر پھر وزیر اعظم راحت فنڈ کے اکاؤنٹ میں بینک کے ذریعے بھیجا جائے جس کی ریسیوینگ لے کر مدارس کی فائل میں رکھا جائے اس سے سب بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ پردھان منتری کے بینک اکاؤنٹس کے ریکارڈ میں مدارس کا نام محفوظ ہو جائیگا ساتھ ہی قوم مسلم اور مدارس و مساجد کے تعلق سے عالمی اور ملکی سطح پر مثبت پیغام جائے گا، اور نیپال کے بدخواہوں کے منھ پر جوڑدار طمانچہ بھی ہو گا۔

اس دوسری کیش (نقدی امداد) والی تجویز کو لوگوں نے زیادہ سراہا اور یہی ہمارے وفد کی اولین ترجیح بھی تھی۔

آخر میں ہم یہی کہنا چاہتے ہیں کہ اس گروپ سے جڑے ممبران راحت رسانی کے اس طریقہ کار کو (اگر مناسب لگے)تو عام کریں اور اس کام میں لگے ہوئے اپنے مقامی ذمہ داران کو بتائیں۔

شکریہ۔ محمد نسیم نورانی
ملنگوا، سرلاہی

حالیہ سیلاب سے متعلق غزل

نتیجہ فکر:
ڈاکٹر ثاقب ہارونی
کاٹھمانڈو نیپال

غیض میں جب بھی آ گیا پانی
نقشِ جاناں مٹا گیا پانی

خود کو ہم بھی نہ روک پائے جب
حد سے آگے چلا گیا پانی

ہم نے مسدود راستے جو کئے
گھر بھی دریا بنا گیا پانی

چیخ کر لوگ آج کہتے ہیں
میرا سب کچھ بہا گیا پانی

اس نے سب کچھ ہمارا چھین لیا
ظلم اس طرح ڈھا گیا پانی

جنگ جیون کی ہار بیٹھے سب
ایک مقتل سجا گیا پانی

جانِ آدم کی وہ بلی لے کر
آخرش کیا ہی پا گیا پانی

روکنے والے روکتے ہی رہے
اپنا رستہ بنا گیا پانی

زعمِ انساں تھا سربلندی کا
رخ سے پردہ اٹھا گیا پانی

پانی پانی کا ہر سو منظر ہے
خود کو ایسے لٹا گیا پانی

جس کو پڑھنے سے تھا گریز مجھے
وہ سبق بھی پڑھا گیا پانی

جس کو تاریخ دھو نہیں سکتی
رنگ ایسے جما گیا پانی

چھین کر مجھ سے یوں چراغِ خوشی
شمعِ ماتم جلا گیا پانی

جل رہا دماغ و دل ثاقب
آگ ایسی لگا گیا پانی

امریکی حملوں کے درمیان ایران کی جوابی کارروائی

حسن سراقہ رضوی

واشنگٹن: (ایجنسیاں) مشرق وسطیٰ میں ایک مرتبہ پھر جنگ کی آہٹ سنائی دے رہی ہے۔ امریکہ نے آبنائے ہرمز میں ایرانی اسلامی انقلابی گارڈ کور (آئی آر جی سی) کے اڈوں پر فضائی حملے کیے ہیں۔ جس کے بعد امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ نے تہران کو تازہ وارننگ دیتے ہوئے کہا کہ بڑا حملہ ہونا ابھی باقی ہے۔ دوسری جانب ایران نے اعلان کیا ہے کہ وہ اس حملے کا جواب دے گا اور اس نے دیا بھی۔ امریکہ نے ایران پر پیر یعنی یکم ستمبر کو حملہ کیا ہے۔ جاری امن مذاکرات کے درمیان، امریکہ نے آبنائے ہرمز کے قریب ایرانی اسلامی انقلابی گارڈ کور (آئی آر جی سی) کے اڈوں پر فضائی حملے کئے۔ امریکی سینٹرل کمانڈ کے مطابق یہ فوجی کارروائی ایران کی جانب سے ہرمز میں تجارتی بحری جہازوں اور خطے میں تعینات امریکی فوجیوں پر حالیہ حملوں کے جواب میں کی گئی۔

ایرانی مقامی میڈیا اور آئی آر جی سی سے وابستہ ٹیلی گرام چینلز کے مطابق، امریکی حملوں کے بعد جنوبی مشرقی ایران کے بڑے حصوں میں دھماکوں کی آوازیں سنی گئیں۔ چابہار، بندر عباس، کونارک، قشم، جسک، سریک اور مناب سمیت اہم ساحلی علاقے زوردار دھماکوں کی زد میں آئے۔ امریکی سینٹرل کمانڈ نے بتایا کہ اس کی فورسز نے امریکی وقت کے مطابق رات ۱۲ بجے آئی آر جی سی کے ٹھکانوں کو نشانہ بنانا شروع کیا۔ دوسری جانب ایران کی فارس نیوز ایجنسی نے آئی آر جی سی کے ایک بیان کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ ایرانی فوج نے "تکنیکی اور دیکھ بھال کے بنیادی ڈھانچے" اور ان علاقوں کو نشانہ بنایا جہاں "دشمن کے لڑاکا طیارے" اردن میں شاہ حسین امریکی فوجی اڈوں پر تعینات تھے۔ ایران کا دعویٰ ہے کہ اس حملے میں کافی نقصان ہوا ہے۔ امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ نے بھی ایران کے اقدامات کے خلاف جوابی کارروائی کا انتباہ دیا۔

تاہم ٹرمپ نے کہا کہ مذاکرات کا امکان ابھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوا ہے۔ انہوں نے کہا، "وہ مذاکرات کرنا چاہتے ہیں، لیکن مجھے نہیں معلوم کہ ہم کسی معاہدے تک پہنچنے کے لیے ان پر بھروسہ کر سکتے ہیں یا نہیں۔" ٹرمپ نے کہا کہ پابندیوں کا اثراب شدت سے محسوس کیا جارہا ہے۔

متحدہ عرب امارات کی ۸۳ ٹن ہنگامی امداد انسانی ہمدردی و یکجہتی کی عظیم مثال

نیپال اردو ٹائمز
پریس ریلیز

کاٹھمانڈو: نیپال میں حالیہ سیلاب اور لینڈ سلائیڈنگ سے پیدا ہونے والی سنگین صورتحال کے دوران متحدہ عرب امارات نے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر نیپال کے متاثرین کے لیے ۸۳ ٹن ہنگامی امدادی سامان روانہ کر دیا ہے۔ امدادی سامان کی یہ کھیپ مشکل میں گھرے نیپالی عوام کے لیے ایک اہم سہارا اور دونوں ممالک کے درمیان دوستانہ و انسانی تعلقات کی نمایاں مثال قرار دی جارہی ہے۔

متحدہ عرب امارات کی جانب سے بھیجی گئی امداد کا مقصد سیلاب اور لینڈ سلائیڈنگ سے متاثرہ خاندانوں کی فوری ضروریات پوری کرنا اور انہیں اس مشکل صورتحال سے نکلنے میں مدد فراہم کرنا ہے۔ امدادی کھیپ پر UAE AID اور "Response to Those Affected by Floods and Landslides in Nepal" کا پیغام درج ہے، جو اس امدادی مشن کی انسانی نوعیت کو واضح کرتا ہے۔

قدرتی آفت کے اس مشکل وقت میں متحدہ عرب امارات کی جانب سے فوری امداد کی فراہمی اس بات کا واضح اظہار ہے کہ انسانی ہمدردی اور باہمی تعاون کسی سرحد کے پابند نہیں۔ جب نیپال کے مختلف علاقوں میں سیلابی صورتحال نے ہزاروں لوگوں کی زندگیوں کو متاثر کیا، ایسے وقت میں بیرونی امداد متاثرین کے لیے امید کی ایک اہم کرن بن کر سامنے آئی ہے۔ سیلاب اور لینڈ سلائیڈنگ کے نتیجے میں کئی خاندانوں کو گھروں، خوراک اور بنیادی ضروریات کے حوالے سے مشکلات کا سامنا ہے۔

ایسے حالات میں امدادی سامان کی بروقت فراہمی نہ صرف متاثرین کی فوری ضروریات پوری کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے بلکہ انہیں یہ احساس بھی دلاتی ہے کہ وہ اس مشکل گھڑی میں تنہا نہیں ہیں۔

متحدہ عرب امارات اور نیپال کے پرچموں کے ساتھ امدادی سامان کی روانگی دونوں ممالک کے درمیان دوستانہ تعلقات اور باہمی احترام کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ امدادی کارروائی کے مناظر میں دونوں ممالک کے نمائندوں کی موجودگی نے اس اقدام کی اہمیت کو مزید اجاگر کیا۔

متحدہ عرب امارات کی یہ امداد اسی عالمی انسانی جذبے کی ایک عملی مثال ہے۔ ۸۳ ٹن امدادی سامان صرف ضروری اشیاء کی ایک کھیپ نہیں بلکہ نیپال کے مشکل وقت میں اس کے عوام کے ساتھ کھڑے ہونے کا عملی پیغام ہے۔

توقع ہے کہ امدادی سامان متاثرہ علاقوں تک پہنچنے کے بعد ضرورت مند خاندانوں کے لیے فوری ریلیف کا ذریعہ بنے گا اور قدرتی آفت سے متاثرہ افراد کو معمولاتِ زندگی کی بحالی میں مدد ملے گی۔

مشکل گھڑی میں نیپال کے ساتھ متحدہ عرب امارات کی یہ یکجہتی دونوں ممالک کے درمیان دوستی اور انسانی تعاون کی ایک قابلِ تحسین مثال بن کر سامنے آئی ہے۔

چار ممالک پر برسا بارود، کانپ اٹھی دنیا!' امریکہ - ایران جنگ نے اختیار کیا بھیانک رخ

سراقہ رضوی
نیپال اردو ٹائمز

تہران: (ایجنسیاں) ایران نے اردن میں امریکی میرین بیس اور پرنس حسن ایئربیس پر بیلسٹک میزائلوں کی بوچھار کر دی، جبکہ بحرین اور کویت میں امریکی فوجی اڈوں پر بھی یکے بعد دیگرے ڈرون حملے کیے گئے ہیں۔ ان نئے حملوں کے بعد کویت، بحرین، اردن اور ایران سمیت پورے خطے میں ریڈ الرٹ جاری کر دیا گیا ہے۔ اردن میں داغے گئے ۱۳ بیلسٹک میزائل

ایران کے اسلامک ریوولوشنری گارڈ کور (IRGC) نے اردن کے شہر عقبہ کے قریب ٹِٹین میں واقع امریکی میرین کیمپ پر بھاری بیلسٹک میزائل داغ کر ہلچل مچا دی۔ ایرانی میڈیا ادارے تسنیم کے مطابق IRGC نے دعویٰ کیا ہے کہ اس حملے میں بڑی تعداد میں امریکی فوجی مارے گئے اور ان کے جنگی ہیلی کاپٹر تباہ ہو گئے۔

تاہم اردن کی فوج نے دعویٰ کیا کہ اس کے فضائی دفاعی نظام نے ۱۳ میں سے ۱۰ میزائلوں کو فضا میں ہی ناکارہ بنا دیا، جبکہ ۳ میزائل ویران علاقے میں جا کر گرے۔

امریکہ نے بھی ہلاکتوں سے متعلق ایرانی دعوے کو مکمل طور پر مسترد کر دیا ہے۔

بحرین اور کویت میں بھی گونجے دھماکے جنگ کی لپٹیں اب اردن سے نکل کر بحرین اور کویت تک پہنچ گئی ہیں۔ بحرین میں واقع شیخ عیسیٰ ایئربیس اور امریکی بحریہ کے اڈوں کو نشانہ بنا کر ایران نے بڑے پیمانے پر خودکش ڈرون داغے ہیں۔ وہیں کویت کی حکومت نے بھی اپنی سرزمین پر ہونے والے ڈرون حملوں کی تصدیق کی ہے۔ خلیج کے چار ممالک میں بیک وقت ہونے والے ان حملوں سے واضح ہو گیا ہے کہ ایران اب امریکہ کو اس کے اتحادی ممالک کی سرزمین پر نشانہ بنا کر دباؤ میں لانے کی حکمت عملی پر عمل کر رہا ہے۔

چابہار سے بندر عباس تک امریکہ کی شدید بمباری ایران کے ان حملوں کے جواب میں امریکی فضائیہ نے بھی ایرانی سرزمین پر شدید بمباری کی ہے۔ امریکی سینٹرل کمانڈ کے مطابق ایران کے عسلویہ، جیروفت، بندر عباس، جزیرہ کیش، کنارک، چابہار، جاسک، سیریک اور لاوان جیسے اہم فوجی اور تجارتی مراکز کو نشانہ بنایا گیا۔

امریکہ کا کہنا ہے کہ وہ ایران کے ان تمام میزائل لانچرز اور ڈپو کو تباہ کر رہا ہے جو بین الاقوامی بحری راستوں اور جہازوں کے لیے خطرہ بنے ہوئے تھے۔ کیا تیسری عالمی جنگ شروع ہو چکی ہے؟

ایک ماہ کے وقفے کے بعد بھڑکنے والی یہ آگ اب صرف امریکہ اور ایران تک محدود نہیں رہی، بلکہ مشرق وسطیٰ کے کئی ممالک بھی اس کی زد میں آتے دکھائی دے رہے ہیں۔ آبنائے ہرمز میں بحری جہازوں کی آمدورفت متاثر ہونے سے عالمی خام تیل کے بحران کے مزید گہرا ہونے کا خدشہ ہے۔

دونوں ممالک کے درمیان شروع ہونے والا ایک دوسرے کے حملوں کا جواب دینے کا یہ سلسلہ اگر فوری طور پر نہ رکا تو جنگ بہت جلد ایک بڑے عالمی تنازع کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ اس صورتحال نے نہ صرف مشرق وسطیٰ بلکہ پوری دنیا میں تشویش پیدا کر دی ہے۔

ٹرمپ کی مقبولیت بدترین سطح پر پہنچ گئی

واشنگٹن: (ایجنسیاں) امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ کی مقبولیت میں مزید کمی ہو گئی ہے اور شرح ۳۳ فیصد تک پہنچ گئی ہے، جو ان کے سیاسی کیریئر کی اب تک کی کم ترین سطح قرار دی جارہی ہے۔ رائٹرز کے ایک تازہ سروے کے مطابق امریکی عوام میں صدر ٹرمپ کی کارکردگی کے حوالے سے عدم اطمینان میں اضافہ ہوا ہے۔ سروے میں ایران کے ساتھ جاری جنگ اور ٹرمپ کی معاشی پالیسیوں کو ان کی مقبولیت میں کمی کی اہم وجوہات قرار دیا گیا ہے۔ سروے کے مطابق امریکی عوام کی ایک بڑی تعداد ملک میں مہنگائی اور روزمرہ اخراجات سے نمٹنے کیلئے ٹرمپ انتظامیہ کی پالیسیوں سے بھی ناخوش ہے۔ تقریباً ۷۱ فیصد امریکیوں نے مہنگائی اور بڑھتے ہوئے اخراجات سے نمٹنے کے صدر کے طریقہ کار پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ ٹرمپ کی گرتی ہوئی مقبولیت ایسے وقت میں سامنے آئی ہے جب امریکہ میں نومبر کے وسط مدتی انتخابات کی تیاری جاری ہے۔ ان انتخابات میں ایوان نمائندگان اور سینیٹ سمیت اہم سیاسی مقابلے ہوں گے، اس لیے صدر کی مقبولیت اور عوامی رائے کو دونوں جماعتیں خاص اہمیت دے رہی ہیں۔ رائٹرز کے سروے میں آزاد ووٹرز کے رجحان سے بھی ڈیموکریٹس کو تقویت ملتی دکھائی دی ہے۔ سروے کے مطابق ۳۶ فیصد آزاد ووٹرز نے کہا کہ وہ وسط مدتی انتخابات میں ڈیموکریٹ امیدواروں کو ووٹ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں، جبکہ صرف ۲۲ فیصد نے ریپبلکن امیدواروں کے حق میں اپنی ترجیح ظاہر کی۔ امریکی سیاست میں آزاد ووٹرز کو خاص اہمیت حاصل ہے

کیونکہ یہ ووٹرز ہر انتخاب میں لازماً کسی ایک جماعت کے ساتھ وابستہ نہیں رہتے۔ ان کا رجحان کئی اہم ریاستوں اور انتخابی حلقوں میں نتائج پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ ٹرمپ کی مقبولیت میں کمی کی ایک اہم وجہ ایران جنگ بھی بتائی جارہی ہے۔ مشرق وسطیٰ میں جاری فوجی تنازعہ کے باعث امریکہ میں جنگ کے اخراجات، امریکی فوجیوں کی تعیناتی اور تنازعہ کے ممکنہ اثرات پر بحث جاری ہے

امریکی حملے کے جواب میں ایرانی فوج نے اردن، کویت اور بحرین میں امریکی تنصیبات پر داغے میزائل

تہران / واشنگٹن / عمان / کویت سٹی (ایجنسیاں) آبنائے ہرمز پر جاری جنگ میں ایران نے امریکی حملے کے جواب میں اردن، کویت اور بحرین میں امریکی تنصیبات کو نشانہ بنایا ہے۔ امریکہ نے دھمکی دی ہے کہ ایران پر مزید جارحانہ حملے کیے جائیں گے۔ ایران کی سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی (آئی آر جی سی) کا دعویٰ ہے کہ اس نے جوابی کارروائی کے تحت اردن میں پرنس حسن ایئربیس اور امریکی میرین بیس پر بیلسٹک میزائل حملہ کیا ہے۔ الجزیرہ، عرب نیوز، گلف نیوز اور سی بی ایس نیوز کی رپورٹس کے مطابق، واشنگٹن اور تہران کے درمیان دوبارہ حملے شروع ہونے کے بعد اپنے پہلے پیغام میں سپریم لیڈر مجتبیٰ خامنہ ای نے کہا ہے کہ اس بار ایران کی فوج امریکہ کو ایسا درد دے گی، جسے وہ کبھی بھلا نہیں پائے گا۔

کویت کا کہنا ہے کہ اس کا فضائی دفاعی نظام ڈرون حملوں کا فعال طور پر جواب دے رہا ہے۔ بحرین نے کہا کہ اس کے فضائی دفاعی نظام نے ایران سے آنے والے ڈرونز کو کامیابی سے روک کر تباہ کر دیا۔ امریکی سینٹرل کمانڈ (سینٹ کام) نے کہا کہ اس کی افواج نے یکم ستمبر کو ایرانی ٹھکانوں پر متعدد حملے کیے۔ یہ کارروائی تجارتی بحری جہازوں اور امریکی فوجیوں پر حملوں کی کوششوں کے جواب میں کی گئی۔

اس دوران ایران کے سرکاری میڈیا نے جنوبی علاقوں میں دھماکوں کی خبریں نشر کی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق عسلویہ، جیروفٹ، بندر عباس، قشم جزیرہ، کنارک، چابہار، جاسک، سیریک اور لاوان میں زوردار دھماکے ہوئے ہیں۔ ایران کی ریڈ کریسنٹ نے بتایا کہ سیریک کاؤنٹی کے کوہستک شہر میں شادی کے گھر پر ہوئے حملے میں ایک بچے سمیت کم از کم چار افراد ہلاک اور ۵۰ سے زائد شہری زخمی ہوئے۔ ریڈ کریسنٹ نے ایکس پر یہ اطلاع دی۔ ایرانی حکومت نے کہا کہ امریکی حملے کے بعد شادی کا گھر مکمل طور پر منہدم ہو گیا۔ سیریک کاؤنٹی آبنائے ہرمز کے کنارے واقع ہے۔ ایرانی میڈیا نے منگل کو آبنائے ہرمز کے ساتھ اور اس کے مشرق میں واقع کئی شہروں کے علاوہ جنوبی کرمان صوبے کے ایک ہوائی اڈے پر بھی دھماکوں کی اطلاع دی۔ ایران ۲۸ فروری سے امریکہ کے ساتھ جنگ میں ہے۔ اسی تاریخ کو امریکہ اور اسرائیل کے مشترکہ فوجی حملے میں اسلامی جمہوریہ کے سپریم لیڈر علی خامنہ ای اور اعلیٰ فوجی افسران مارے گئے تھے۔ اس کے بعد ایران نے مشرق وسطیٰ میں امریکہ کے اتحادی ممالک کو نشانہ بنایا تھا۔ چند روز کی خاموشی کے بعد امریکہ نے اتوار کو ایران پر زوردار حملہ کیا۔ صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے کسی بھی جوابی حملے کا انتہائی سخت جواب دینے کی دھمکی دی ہے۔

ایران نے ٹرمپ کی دھمکی کو نظر انداز کرتے ہوئے اردن اور متحدہ عرب امارات میں موجود امریکی فوجیوں کو نشانہ بنایا۔ آئی آر جی سی کے ترجمان حسین موجی نے ایکس پر خبردار کیا کہ واشنگٹن کو سخت سزا دی جائے گی۔ ایران کی تسنیم نیوز ایجنسی نے بعد میں کہا کہ ایرانی فوج نے امریکی اڈوں کے خلاف فوجی کارروائی شروع کر دی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ایران نے آبنائے ہرمز کو نہیں کھولا ہے۔ امریکہ کی جانب سے ایرانی بندرگاہوں کی جوابی ناکہ بندی جاری ہے۔

گزشتہ ۴۸ گھنٹوں کے دوران آبنائے ہرمز کے آس پاس تجارتی ٹینکروں پر دو حملوں کی اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔ اس کے بعد جہاز 'جزیرۃ ام الغنم' کے شمال مغرب میں تقریباً ایک ناٹیکل میل کے فاصلے پر لنگر انداز ہو کر رک گیا۔ دوسرا واقعہ یو کے ایم ٹی او ۱۲۴-۲۶ (ٹینکر) سے متعلق ہے۔ اس ٹینکر پر عمان کے خصب سے تقریباً ۱۷ ناٹیکل میل مشرق میں آبنائے سے باہر نکلتے وقت تین نامعلوم پروجیکٹائل (ہتھیار / گولے) سے حملہ کیا گیا۔ ٹینکروں پر یہ حملے ایسے وقت میں ہوئے ہیں جب امریکہ اور ایران کے درمیان تنازع ممکنہ طور پر زیادہ خطرناک بحری مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔ ایرانی دھمکیوں کے جواب میں امریکی فوج نے ایرانی ریڈار اور فضائی دفاعی نظام سمیت دیگر فوجی بنیادی ڈھانچے پر تازہ حملے کیے ہیں۔ صنعاء میں حوثی کے زیر کنٹرول وزارت خارجہ نے ایران پر امریکی حملوں کے حوالے سے تہران کے ساتھ یکجہتی کا بیان جاری کیا ہے۔ حوثی کے زیر کنٹرول سبا نیوز ایجنسی کے ایک بیان میں وزارت نے کہا کہ امریکی حملوں سے ایران کا عزم کمزور نہیں ہوگا اور تہران کا ردعمل بین الاقوامی قانون کے تحت اس کا جائز حق ہے

۔ وزارت نے امریکہ پر خطے کو کشیدگی کی جانب دھکیلنے کا الزام عائد کیا اور کہا کہ اس کے نتائج کے لیے واشنگٹن اور اس کی حمایت کرنے والے ذمہ دار ہیں۔ انہیں اس کی قیمت چکانی ہوگی۔

اردن نے کہا کہ ملک کے کئی حصوں پر ایرانی میزائلوں سے حملہ کیا گیا۔ اردن کی فوج نے بدھ کی صبح کہا کہ اسے "ایرانی علاقے سے آنے والے میزائل حملے کا سامنا کرنا پڑا۔" اردن کی فوج نے بتایا کہ اس نے ۱۳ بیلسٹک میزائلوں کا سراغ لگایا، جن میں سے ۱۰ کو روک لیا گیا جبکہ تین دور دراز علاقوں میں جا گرے۔ تاہم ایران کے سرکاری میڈیا نے دعویٰ کیا کہ اردن پر ہونے والے حملے میں امریکی فوجی مارے گئے، لیکن ایک امریکی عہدیدار نے کہا کہ یہ بات درست نہیں ہے

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810

نیپال میں سیلاب کی تباہی کے بعد اب تک ۹۸۷ لاشیں برآمد، ۵۸۱ نامعلوم لاشیں دفن کی گئیں

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
خصوصی نامہ نگار نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپال میں سیلاب کے بعد اب تک ۹۸۷ افراد کی لاشیں برآمد کی جا چکی ہیں۔ تاہم بڑی تعداد میں لاشیں نامعلوم ہیں اور انہیں زمین میں دفن کیا جا رہا ہے۔ پولیس کے مطابق منگل کی صبح تک ۹۸۷ لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ چتون میں مختلف انسانی اعضاء سمیت سب سے زیادہ ۳۲۱ لاشیں ملی ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر لاشیں ایسی حالت میں ہیں کہ ان کی شناخت کرنا مشکل ہے۔

اس کے علاوہ رسوا میں ۲۷ نواکوٹ میں ۹۵ دھادنگ میں ۵۵، گورکھا میں ۶۵ تنو میں ۳۸ نولپراسی ایسٹ میں ۲۱۶ اور نولپراسی ویسٹ میں ۱۷۰ لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ ان میں سے منگل کی صبح تک صرف ۵۶ لاشوں کی شناخت کی گئی ہے اور انہیں ان کے اہل خانہ کے حوالے کیا گیا ہے۔ باقی لاشوں کی شناخت ابھی باقی ہے۔ پولیس کے مطابق ۵۸۱ نامعلوم لاشیں زمین میں دفن کی گئی ہیں چتون نولپراسی نواکوٹ کاسکی سمیت مختلف اضلاع میں دفن لاشوں میں سے ۲۶۲ لاشوں کی شناخت نہیں ہو سکی کہ ان کا تعلق عورت سے ہے یا مرد سے۔ برآمد ہونے والی ۱۲۱ لاشیں مرد اور ۱۹۸ خواتین کی تھیں۔ سب سے زیادہ لاشیں چتون میں دفن ہیں۔ پولیس کے مطابق یہاں ۲۸۰ لاشیں زمین میں دفن کی گئی ہیں۔ چتون میں ملنے والی ۳۲۱ لاشوں میں سے صرف ۱۲ کی شناخت ہوئی ہے اور ان سب کو ان کے گھر والوں کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ چتون پولیس نے کہا کہ اگر ان کی شناخت نہیں ہوئی تو باقی لاشوں کو بھی دفن کر دیا جائے گا۔ اسی طرح نولپراسی ایسٹ میں ۱۵۹ اور کاسکی میں ۸۷ لاشیں دفن کی گئی ہیں۔ صحت یاب ہونے کے بعد فوری طور پر پوکھرا لے جانے والی لاشوں کی شناخت نہیں ہو سکی، جس کے بعد انہیں زمین میں دفن کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ بہت سی لاشیں اب بھی مختلف اسپتالوں میں رکھی ہوئی ہیں۔ لاشوں کی شناخت کی کوششیں جاری ہیں۔ پولیس نے کہا کہ اگر ان کی بھی شناخت نہیں ہوئی تو انہیں اسی طرح زمین میں دفن کیا جائے گا

نیپال بھوٹے کوشی اور تریشولی میں سیلاب کے بعد تقریباً ۵ ہزار افراد کے رابطے سے باہر ہونے کا خدشہ

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپال میں بھوٹے کوشی اور تریشولی دریاؤں میں آنے والے شدید سیلاب کے تیسرے روز بھی یہ واضح نہیں ہو سکا ہے کہ اس قدرتی آفت سے مجموعی طور پر کتنے لوگ متاثر ہوئے ہیں اور کتنے افراد لاپتہ ہیں۔ تاہم حکومت کے ابتدائی تکنیکی جائزے کے مطابق سیلاب کے بعد تقریباً ۵ ہزار افراد کے رابطے سے باہر ہونے کا خدشہ ظاہر کیا گیا ہے۔ وزارت داخلہ کے ایک عہدیدار کے مطابق سیلاب سے قبل رسوا کے گوسائیکنڈ سے لے کر نواکوٹ کے دیوی گھاٹ علاقے تک تقریباً ۵ ہزار موبائل صارفین کے فون فعال تھے، لیکن سیلاب کے بعد ان سے رابطہ قائم نہیں ہو سکا۔ یہ ابتدائی تخمینہ نیپال کی دو بڑی ٹیلی مواصلاتی کمپنیوں نیپال ٹیلی کام اور این سیل سے حاصل ہونے والے اعداد و شمار کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔ قومی ڈیزاسٹر مینیجمنٹ اتھارٹی کی جانب سے جاری اعداد و شمار کے مطابق اب تک ۱،۹۲۴ افراد کے رابطے سے باہر ہونے کی اطلاعات سامنے آئی ہیں۔ ان میں ۹۳۳ افراد پن بجلی منصوبوں میں کام کرنے والے ملازمین ہیں۔ سیلاب اور لینڈ سلائیڈنگ کے بعد رابطے سے باہر ہونے والے غیر ملکی شہریوں کی تعداد بھی تقریباً ۵۱۷ بتائی جا رہی ہے۔ تاہم ان اعداد و شمار کے حوالے سے بھی صورتحال مکمل طور پر واضح نہیں ہے۔ نیپال حکومت کو جمعہ کی شام تک لاپتہ یا رابطے سے باہر افراد کے سلسلے میں تقریباً ۲ ہزار درخواستیں موصول ہو چکی تھیں۔ رابطے سے باہر افراد میں رسوا اور نواکوٹ اضلاع کے مقامی باشندوں کے علاوہ گوسائیکنڈ کی سیر کے لیے گئے سیاح بھی شامل ہیں۔ حکام کے مطابق متاثرہ علاقوں میں مواصلاتی نظام متاثر ہونے اور دشوار گزار جغرافیائی حالات کے باعث لاپتہ افراد کے بارے میں مکمل معلومات جمع کرنے میں مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ حکومت اور سکیورٹی ایجنسیاں متاثرہ علاقوں میں بڑے پیمانے پر تلاش اور ریسکیو آپریشن چلا رہی ہیں۔ انتظامیہ کی ترجیح رابطے سے باہر افراد کا سراغ لگانا متاثرہ علاقوں تک رسائی بحال کرنا اور سیلاب میں پھنسے لوگوں کو محفوظ مقامات تک منتقل کرنا ہے

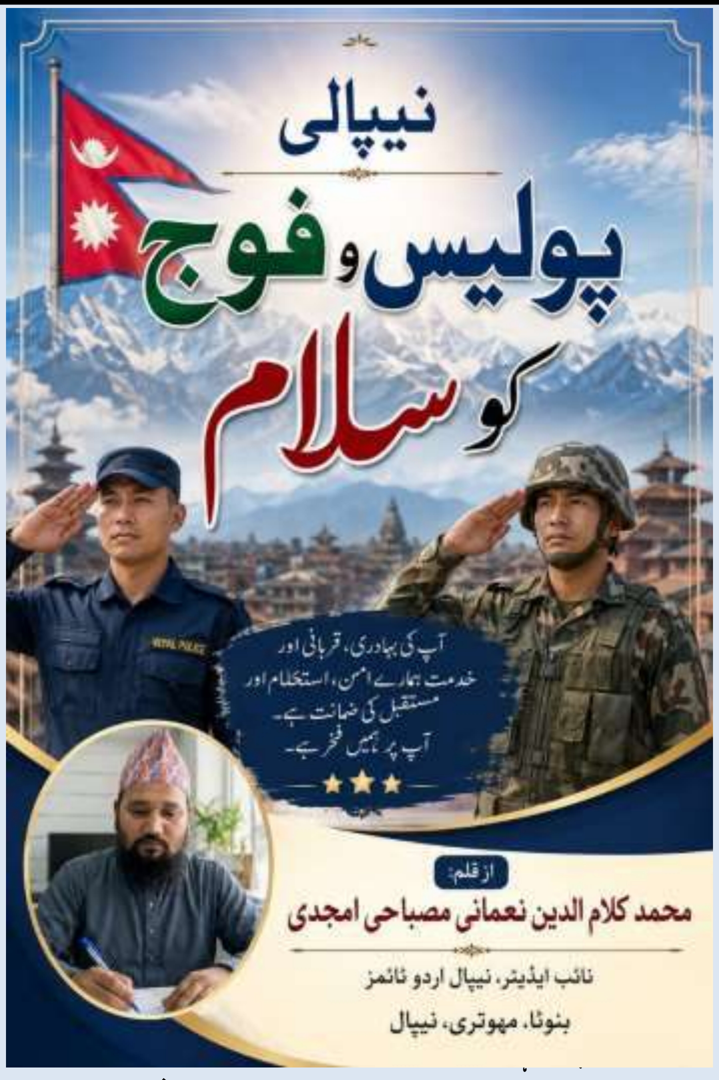

نوواکوٹ سیلاب: ملبے میں ایک گھر سے ۲۳ لاشیں برآمد، مہلوکین کے تیرتھ یاتری ہونے کا شبہ

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی خصوصی نامہ نگار نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپال کے ضلع نوواکوٹ میں سیلاب اور مٹی کے تودے گرنے کی تباہ کاریوں کے دوران

امدادی ٹیموں نے ایک ہی گھر کے ملبے سے ۲۳ لاشیں برآمد کی ہیں۔ حکام کو شدید شبہ ہے کہ جاں بحق ہونے والے یہ افراد ہندو تیرتھ یاتری (زائرین) تھے جو گوسائیں کنڈ کی مقدس یاترا کے لیے جا رہے تھے اور سیلاب کا پانی بڑھنے پر جان بچانے کے لیے اس گھر میں پناہ لی تھی۔ یہ افسوسناک واقعہ نیپال کے ضلع نوواکوٹ کے علاقے تریشولی میں پیش آیا جہاں پورا گھر مٹی اور کیچڑ کے ملبے تلے دب گیا تھا۔ پولیس حکام کے مطابق ۲۱ لاشیں گھر کے ایک ہی کمرے کے اندر سے جبکہ ۲ لاشیں گھر کے باہر سے ملیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ سیلابی ریلے سے بچنے کے لیے وہاں محصور ہو گئے تھے۔ نیپال اور تبت کے سرحدی علاقوں میں گلیشیئر پھٹنے کی وجہ سے آنے والے اس قیامت خیز سیلاب میں اب تک مجموعی ہلاکتوں کی تعداد ۱،۰۵۰ سے تجاوز کر چکی ہے اور ہزاروں افراد تاحال لاپتہ ہیں۔ مرنے والوں میں بڑی تعداد کیلاش مانسرووَر اور دیگر قریبی مقامات پر جانے والے ملکی و غیر ملکی زائرین کی بتائی جاتی ہے۔

تبت کے کیرونگ میں سیلاب، ۵۴۶ افراد لاپتہ ۱۰۴ نیپالی اور ۴۹ ہندوستانی شامل

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

چین کے تبت خودمختار علاقے میں آنے والے شدید سیلاب کے بعد کیرونگ میں ۵۴۶

افراد لاپتہ ہو گئے ہیں۔ چین کے سرکاری ٹیلی ویژن سی سی ٹی وی کے مطابق لاپتہ افراد میں ۲۳ ممالک کے ۲۶۱ غیر ملکی شہری شامل ہیں۔ چینی حکام کے مطابق لاپتہ غیر ملکی شہریوں میں نیپال کے شہریوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ اب تک ۱۰۴ نیپالی اور ۴۹ ہندوستانی شہری لاپتہ بتائے گئے ہیں۔ لاپتہ غیر ملکی شہریوں کی تفصیل نیپال ۱۰۴، بھارت ۴۹ لتھوانیا ۳۳، امریکہ:۱۸، برطانیہ:۱۵، کینیڈا ۱۱، آسٹریلیا ۶ جنوبی افریقہ ۴ ملائیشیا ۳ جرمنی ۳ روس ۳ فرانس ۲ نیوزی لینڈ ۲ ایسٹونیا ۲ آئرلینڈ ۲ فن لینڈ ا نیدرلینڈز ا التھوانیا: ا پرتگال ا یوکرین ا اسپین ا ہنگری: ا چینی حکام نے لاپتہ شہریوں کے بارے میں ان کے متعلقہ ممالک کے سفارت خانوں اور قونصلر حکام کو باضابطہ طور پر اطلاع دے دی ہے۔ چین کے سرکاری نشریاتی ادارے کے مطابق لاپتہ افراد سے متعلق یہ تفصیلات وزارت خارجہ وزارت عوامی تحفظ ثقافت و سیاحت اور ہنگامی انتظامیہ سمیت مختلف سرکاری اداروں کی مشترکہ تحقیقات اور باہمی رابطے کے بعد مرتب کی گئی ہیں۔

نیپال: لاشیں گلنے سڑنے لگیں، سیلاب متاثرہ علاقوں میں وبائی امراض کا خطرہ بڑھا

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
خصوصی نامہ نگار نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو نیپال میں آنے والے تباہ کن سیلاب کے بعد ہلاک ہونے والے انسانوں اور جانوروں کی لاشیں گلنے سڑنے لگی ہیں، جس سے متاثرہ علاقوں میں وبائی اور متعدی بیماریوں کے پھیلنے کا خطرہ بڑھ گیا ہے۔ سیلاب میں سیکڑوں افراد لاپتہ ہوئے ہیں، جن میں سے بہت کم افراد کو زندہ بچایا جا سکا ہے، جبکہ بڑی تعداد میں لاشیں اب بھی نہیں مل سکی ہیں۔ سیلاب میں ہزاروں جانور بھی بہہ گئے یا ہلاک ہوئے ہیں، لیکن ان کی لاشوں کو ٹھکانے لگانے کا مناسب انتظام نہیں ہو سکا ہے۔ ڈاکٹروں نے خبردار کیا ہے کہ اگر بروقت اقدامات نہ کیے گئے تو بیماریوں کا پھیلاؤ سنگین صورت اختیار کر سکتا ہے۔ متاثرہ علاقوں میں بکھری ہوئی لاشوں کی وجہ سے ہیضہ اسہال اسکرب ٹائفس، روٹا وائرس ٹائیفائڈ ہیپاٹائٹس اے اور ای لیپٹوسپائروسیس ڈینگی ملیریا، جلدی اور سانس کی بیماریاں پھیلنے کا خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے۔ سینئر متعدی امراض کے ماہر ڈاکٹر شیر بہادر پون نے خبردار کیا کہ متاثرہ علاقوں میں فوری طور پر صحت سے متعلق احتیاطی اقدامات نہ کیے گئے تو عوامی صحت کا بڑا بحران پیدا ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ صرف انسان ہی نہیں بلکہ ہزاروں جانور بھی ہلاک ہوئے ہیں اور اب ان کی لاشیں گلنے سڑنے لگی ہیں۔ انہوں نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ بلاضرورت متاثرہ علاقوں میں نہ جائیں، کیونکہ کسی ایک شخص کے متعدی بیماری کا شکار ہونے کی صورت میں بیماری مزید علاقوں تک پھیل سکتی ہے۔ فی الحال سیلاب متاثرین بڑی تعداد میں ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ ان کے کھانے پینے اور رہائش کا انتظام بھی مشترکہ مقامات پر کیا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر پون کے مطابق خیموں یا کھلی جگہوں پر رہنے کے دوران مچھر اور دیگر کیڑے لوگوں کو کاٹ سکتے ہیں، جس سے ایک شخص سے دوسرے شخص میں بیماری منتقل ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بے گھر افراد کے کیمپوں میں پینے کے پانی اور کھانے پینے کی اشیا کی تقسیم مناسب طریقے سے نہ کی گئی تو حالات مزید خراب ہو سکتے ہیں۔ خاص طور پر پانی سے پھیلنے والی بیماریاں سانس کے انفیکشن اور اسہال کا خطرہ زیادہ ہے۔ ان کے مطابق اسکرب ٹائفس اور کیڑوں کے ذریعے پھیلنے والی بیماریوں کا خطرہ بھی موجود ہے۔ ڈاکٹر پون نے مشورہ دیا کہ پانی کو ابالنے یا کلورین کے ذریعے صاف کرنے کے بعد ہی استعمال کیا جائے۔ لوگوں کو باقاعدگی سے صابن اور پانی سے ہاتھ دھونے چاہئیں۔ عارضی کیمپوں میں بیت الخلا اور کچرے کے مناسب انتظام پر بھی خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ بخار اسہال الٹی یا جلد میں انفیکشن کی علامات ظاہر ہونے پر فوراً طبی مرکز سے رابطہ کرنا چاہیے

چتون کی نارائنی ندی سے ملنے والی ۲۳۳ لاشوں میں صرف چار کی شناخت

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
خصوصی نامہ نگار نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

چتون میں واقع نارائنی ندی سے ملنے والی ۲۳۳ لاشوں میں اب تک صرف چار افراد کی شناخت ہو سکی ہے۔ ضلع پولیس دفتر چتون کے سربراہ ایس پی رامیشور پودیل نے بتایا کہ شناخت ہونے والی چار لاشوں میں سے تین لاشیں ان کے اہل خانہ لے جا چکے ہیں۔ وہیں ایک لاش کی شناخت ہونے کے باوجود اہل خانہ کے بیرون ملک ہونے کی وجہ سے ابھی تک لاش نہیں لے جا سکے ہیں۔ بیترآوتی پولیس چوکی کے پولیس اسسٹنٹ سب انسپکٹر (اے ایس آئی) رام کاجی پودیل کی جمعہ کو آخری رسومات ادا کی گئیں۔ نارائنی ندی سے ملنے والی لاش کی شناخت کے بعد اہل خانہ نے لاش حاصل کر کے دیوگھاٹ میں آخری رسومات ادا کیں۔ بیترآوتی پولیس چوکی میں مجموعی طور پر ۱۰ پولیس اہلکار تعینات تھے۔ سیلاب آنے کے بعد ان میں سے نو پولیس اہلکار محفوظ نکلنے میں کامیاب رہے، لیکن پودیل لاپتہ ہو گئے تھے۔ اسی طرح بانکے کے گوی راج چودھری کی لاش بھی چتون میں ملی ہے۔ ان کے اہل خانہ نے جمعہ کو لاش حاصل کر لی۔ چتون میں اب باقی ۲۳۰ لاشوں میں سے ۷۷ لاشیں اسپتال کے باہر رکھی گئی ہیں۔ ایس پی پودیل کے مطابق، ان لاشوں کو صنعت و تجارت ایسوسی ایشن کے احاطے میں رکھا گیا ہے۔ انہوں نے بتایا، اسپتال میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے ۷۷ لاشیں ویاپار سنگھ میں رکھی گئی ہیں۔ وہاں برف کے ذریعے لاشوں کو محفوظ رکھنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ چتون میں اب تک ۶۲ ہاتھ پیر اور پنجے بھی ملے ہیں۔ انہیں بھی ویاپار سنگھ کے احاطے میں رکھا گیا ہے۔ پولیس کے مطابق بھرت پور اسپتال میں ۱۵۸ لاشیں رکھی گئی ہیں۔ باقی لاشیں نارائنی اسپتال نیشنل سٹی اسپتال اور کمیونٹی اسپتال میں رکھی گئی ہیں۔ بدھ کی صبح رسوا میں آنے والے تباہ کن سیلاب سے مرنے والوں کی تعداد ۵۷۹ تک پہنچ گئی ہے۔ سیلاب کے بعد سیکڑوں افراد اب بھی لاپتہ ہیں اور ان کی تلاش جاری ہے

چین نے نیپال کی اہم راہداری رسوا گڑھی اور تاتوپانی سرحد کو غیر معینہ مدت کے لیے بند کیا

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
خصوصی نامہ نگار نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

سیلاب اور لینڈ سلائیڈنگ کا خطرہ بڑھنے کے پیش نظر چین نے نیپال کے ساتھ اپنے اہم تجارتی سرحدی ناکوں رسوا گڑھی اور تاتوپانی کو غیر معینہ مدت کے لیے بند کر دیا ہے۔ بھوٹے کوشی ندی میں آنے والے تباہ کن سیلاب سے رسوا گڑھی سرحدی ناکے کے تیمورے بازار کسٹم آفس اور امیگریشن آفس سمیت کئی عمارتیں مکمل طور پر تباہ ہو گئی ہیں۔ اسی دوران چین نے ایک اور اہم ناکہ تاتوپانی بھی بند کر دیا ہے۔ لہاسہ میں تعینات نیپالی قونصل جنرل لکشمی نیرولا نے بتایا کہ لینگ کے علاقے میں لینڈ سلائیڈنگ کا خطرہ تھمنے تک چینی فریق کی جانب سے تجارتی سرگرمیاں دوبارہ شروع کیے جانے کا امکان نہیں ہے۔ تاہم مسافروں کی آمد و رفت جاری رہے گی۔ رسوا گڑھی اور تاتوپانی دونوں سرحدی ناکے بند ہونے کے بعد اب نیپال کے لیے چین کے ساتھ تجارت کرنے کے لئے کورلا سرحدی ناکہ ہی واحد اہم تجارتی تبادل کے طور پر باقی رہ گیا ہے۔

نیپال میں تباہ کن سیلاب سے ہوئی اموات پر بنگلہ دیش کی پارلیمنٹ میں اظہار تعزیت

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
خصوصی نامہ نگار نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو: بنگلہ دیش کی پارلیمنٹ نے نیپال میں آنے والے تباہ کن سیلاب میں جان گنوانے والے لوگوں کے تئیں گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے متفقہ طور پر تعزیتی قرارداد منظور کی ہے۔ تعزیتی قرارداد میں جاں بحق افراد کے سوگوار خاندانوں کے تئیں دلی تعزیت کا اظہار کیا گیا ہے۔ قرارداد پر بحث کے بعد بنگلہ دیش کی پارلیمنٹ نے اسے متفقہ طور پر منظور کر لیا۔ جاں بحق افراد کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ارکان پارلیمنٹ نے ایوان میں ایک منٹ کی خاموشی اختیار کی۔ اس کے بعد مرحومین کی روحوں کی ابدی تسکین کے لیے دعا کی گئی۔ بنگلہ دیش کے مذہبی امور کے وزیر قاضی شاہ مفضل حسین نے دعا کرائی۔ دریں اثنا، بنگلہ دیش کی پارلیمنٹ کے اسپیکر حفیظ الدین احمد نے بھی نیپال میں سیلاب اور لینڈ سلائیڈنگ کے باعث ہونے والے بڑے پیمانے پر جانی نقصان پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کیا۔ اسپیکر احمد نے ایک تعزیتی پیغام جاری کر کے سوگوار نیپالی خاندانوں کے تئیں گہری ہمدردی کا اظہار کیا۔ انہوں نے قدرتی آفت میں جان گنوانے والے افراد کی مرحوم روحوں کی تسکین کی دعا کی اور زخمیوں کی جلد صحت یابی کے لیے بھی دعا کی۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

نیپال کا تباہ کُن سیلاب اور مسلمانوں کی انسانیت سے ہمدردی

محمد کہف الوری مصباحی رکن:- علما فاؤنڈیشن نیپال

فاؤنڈر و ڈائریکٹر: الحفصہ گرلس اسکول جعفر پوروہ، ڈڈواگاؤں پالکا وارڈ نمبر ۲، ضلع بانکے نیپال*

۲۶ اگست ۲۰۲۶ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کو ملک نیپال کے رسوا علاقے میں ایک زبردست سیلاب آیا جس سے پوری کی پوری ابادی تہ وبالا ہوگئی۔ اور اس سیلاب میں اس علاقے میں بسنے والے لوگوں کا جانی اور مالی بہت نقصان ہوا۔ سوشل میڈیا کے ذریعے یہ خبر جیسے ہی دور دور تک پھیلی بہت سے لوگ سیلاب سے متاثرین افراد سے ہمدردی جتانے لگے اور ان کے لیے دعائیں کرنے لگے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ جس روز یہ حادثہ ہوا اسی دن محسن انسانیت رحمت عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں ہر طرف لوگ جلوس میں نکلے ہوئے تھے اور سیلاب آنے سے پہلے ہی جلوس نکل کر ادھے راستے ہی میں رہا ہوگا کہ اس تباہی کی خبریں نشر ہونے لگیں چنانچہ اس خبر کے اتے ہی بہت سارے لوگوں نے جلوس ختم کرنے کا اعلان کیا اور اپنے ان متاثرین بھائیوں کے لیے امداد اور تعاون کے لیے جٹ گیے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ اس جلوس کو لے کر کے بہت سے کٹر پنتھی اور مسلمانوں کے تعلق سے نفرتیں پھیلانے والے لوگ سوشل میڈیا پر بہت کچھ بولنے لگے کہ ایک طرف ملک نیپال میں اس طرح کی مصیبت ہے اور یہ لوگ خوشی منا رہے ہیں۔ یا یہ کہ آج کی تاریخ میں نہ جانے کس کا یہ لوگ جنم دن منا رہے تھے کہ یہ مصیبت آگئی!!؟؟

بہرحال نفرتیں پھیلانے والوں نے فساد مچانے کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا اور مسلمانوں کے حوالے سے، اسلام کے تعلق سے نہ جانے کیا کیا تنقید، برے جملے اور پوسٹیں انہوں نے شیئر کی، مگر ان سب چیزوں کے باوجود ملک نیپال میں آباد مسلمانوں کی ہمدردیاں اور راحت رسانی کے لیے جذبات قابل تعریف اور قابل تحسین ہیں۔

بدھ کے دن یہ حادثہ ہوا اور اسی روز سے مسلمان اپنے ان ملکی بھائیوں کی راحت رسانی اور ان کی امداد کے لیے جٹ گیے۔ قارئین کو معلوم ہونا چاہیے کہ ملک نیپال میں مسلمانوں کی آبادی میں اعلی سطح کے لوگ بہت کم ہیں مڈل کلاس کے لوگ کچھ ہیں اور اکثر لوگوں کی تعداد ایسی ہے جو غریبی کے دھارے میں اتے ہیں اس کے باوجود ہر طرف مسجد مدرسہ اور انفرادی و اجتماعی طور پر مسلمانوں نے اپنے ان بھائیوں کی مدد کے لیے ٹھان لیا اور جمعرات کو پورے ملک نیپال میں ہر طرف پلاننگ ہوئی جمعہ کا دن آیا تو علماء فاؤنڈیشن نیپال کے ذمہ داران نے ہر مسجد سے سیلاب زدگان کی مدد کے لیے اعلان کیا۔ چندے اکٹھا کیے اور ہر مسجد سے اماموں نے چندا اکٹھا کر کے ایک جگہ جمع کیا اور پھر اپنے اپنے علاقے کے سی ڈی او کاریالے میں جا کر کے سی ڈی او کی معرفت سے وہ رقم سیلاب سے متاثر افراد تک پہنچائی۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس دن مذکورہ حادثے سے بے خبر مسلمانوں کی خوشی منانے پر طعن و تشنیع کرنے اور ان کا مذاق اڑاتے کے باوجود مسلمانوں نے انسانیت سے سچی ہمدردی اور اپنے ان بھائیوں کو اپنا سمجھتے ہوئے غربت و افلاس کے باوجود ان کے لیے اپنے پیسوں کو پیسہ نہ سمجھا اور ان بھائیوں کے لیے دولت کے سارے دروازے کھول دیے۔ جس سے جتنا ہو سکتا تھا اس نے اتنی مدد کی غریب علاقوں کی مسجدوں سے دو ڈھائی ہزار اور اس سے کچھ اچھا علاقہ تھا تو پانچ ہزار، ۱۰ ہزار، ۱۵ ہزار، ۲۵ ہزار اور ۵۰ ہزار لاکھ وغیرہ اس طرح مسلمانوں نے پیسے جمع کیے اور پوری ہمدردی کے ساتھ یہ سارے پیسے سی ڈی او کی معرفت پردھان منتری صاحب کے اعلان کے مطابق متاثرین تک یہ رقمیں پہنچائی گئیں۔

مسلمان وہ قوم ہے کہ یہ ہمیشہ سے انسانیت کی ہمدرد رہی ہے اور انسانیت سے اس کا لگاؤ اس کی محبت اور ہمدردی وہی ہے جو ہمارے نبی اخر الزماں رحمت عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تعلیم فرمایا ہے۔

دنیا مسلمانوں کو ظالم کہے مگر پھر بھی یہ مسلمان قوم ہے یہ عدل اور انصاف کا دامن نہیں چھوڑتی آج بھی ہماری ہمدردی ان بھائیوں کے لیے ہے جن کے مکانات بہ گئے۔ جن کا ساز وسامان ختم ہو گیا۔ جن کے گھر کے افراد سیلاب میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔

آپ جانتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد کچھ ایسے افراد بھی نظر ائے کہ جنہوں نے لاشوں سے ان کے زیورات اتار لیے۔ اور لاش کو یوں ہی چھوڑ دیا مگر مسلمان اگر وہاں پر ہوتا تو یہ ہرگز برداشت نہ کرتا۔ کرونا کے زمانے میں جب پوری دنیا جراثیم کے خوف سے اپنے مرحومین کے جنازے کو ہاتھ لگانا بھی جان لیوا سمجھتی تھی اس پوزیشن میں بھی مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر کے ہمدردی جتائی اور انسانیت کا ساتھ دیا۔ تاریخ لکھی جائے گی کہ جس وقت ایک طرف سیلاب زدگان کے مال ومتاع کو ایک طبقہ لوٹنے میں لگا ہوا تھا اس وقت مسلمانوں کا پورا وجود اور مسلمانوں کی پوری آبادی اپنے ان بھائیوں کی ہمدردی کے لیے، ان کی سسکیوں کو تسلی میں بدلنے کے لیے، مصیبت میں ان کا سہارا بننے کے لیے اور ان کو ہر طریقے سے راحت پہنچانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا اور واقعی میں انفرادی طور پر، اجتماعی طور پر، تنظیمی سطح پر، مدارس کے ذریعے اور مساجد کے ذریعے اعلان کر کے جس طرح بھی ہو سکا مسلمانوں نے اپنے ان بھائیوں کے لیے راحت فنڈ اکٹھا کیا اور وزیر اعظم کے اکاؤنٹ کے توسط سے ان تک اپنا یہ رسد پہنچایا۔ کیوں کہ مسلمان اپنے نبی کے فرمان کو یاد رکھتے ہیں۔ ان کی تعلیم کو ان کے مشن کو یاد رکھتے ہیں۔ لاکھ دنیا والے ان کو ظالم و جابر اور طرح طرح کے نازیبا الفاظ کہیں، مگر پھر بھی یہ قوم اپنی فطرت سلیمہ کے مطابق انصاف کرنا نہیں چھوڑتی۔ ایسے ہی مواقع کے لیے کسی نے بڑی عمدہ فکر دی ہے کہ

لاکھ دیوار چمن راستہ روکے لیکن
بوئے گل کی بھی کہیں خوئے سفر جاتی ہے

* تحریر :-* محمد کہف الوری مصباحی *
* رکن:- علما فاؤنڈیشن نیپال *
* فاؤنڈر و ڈائریکٹر: الحفصہ گرلس اسکول جعفر پوروہ، ڈڈوا گاؤں پالکا وارڈ نمبر ۲، ضلع بانکے نیپال *
* موبائل نمبر *
* +۹۷۷۹۸۱۴۵۱۶۷۸۷ *

علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال کی نگرانی میں دوسرے مرحلے کے تحت ۵ مساجد سے جمع شدہ ۱ لاکھ ۳۰ ہزار ۹۰۰ روپے وزیر اعظم ریلیف فنڈ میں جمع

نیپال گنج، بانکے:
نیپال میں حالیہ سیلاب اور دیگر آفات سے متاثرہ شہریوں کی امداد و بحالی کے لیے علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال کی نگرانی اور تعاون سے دوسرے مرحلے کے تحت ۵ مساجد سے جمع کی گئی مجموعی رقم ۱ لاکھ ۳۰ ہزار ۹۰۰ روپے وزیر اعظم ریلیف فنڈ میں جمع کرائی گئی۔

سیلاب و آفت سے متاثرہ خاندانوں کی مدد کے مقصد سے مساجد کے ذریعے جمع کی گئی مذکورہ رقم علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال کی جانب سے وزیر اعظم ریلیف فنڈ میں جمع کرائی گئی۔ رقم جمع ہونے کے بعد اس کا بینک واؤچر اور علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال کا لیٹر پیڈ ضلعی انتظامیہ دفتر بانکے میں پیش کیا گیا۔

اس موقع پر علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال کے صدر حضرت مولانا الحاج محمد ناصر الدین انصاری صاحب کی موجودگی میں ضلعی انتظامیہ کے چیف ڈسٹرکٹ آفیسر (CDO) کے سامنے لیٹر پیڈ اور بینک واؤچر باضابطہ طور پر پیش کیا گیا۔

اس موقع پر سابق شہری ترقیاتی وزیر محترم محمد استیاق رائی کی بھی خصوصی موجودگی رہی۔

پروگرام میں علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال کے انچارج مفتی محمد کہف الوری مصباحی صاحب، خزانچی قاری عبد القیوم صاحب سمیت فاؤنڈیشن کے دیگر نمائندگان نے شرکت کی۔

اس موقع پر فاؤنڈیشن کے نمائندگان نے بتایا کہ مشکل وقت میں مساجد، عوام اور مختلف سماجی اداروں کے تعاون سے جمع کی گئی امدادی رقم کو شفاف طریقے سے سرکاری ریلیف فنڈ میں جمع کرایا جا رہا ہے، تاکہ متاثرہ شہریوں تک امداد پہنچانے میں مؤثر کردار ادا کیا جا سکے۔

علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال کے میڈیا انچارج محمد توحید رضا نے کہا کہ متاثرہ شہریوں کی مدد کرنا ہم سب کی مشترکہ انسانی ذمہ داری ہے۔ انہوں نے کہا کہ علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال آئندہ بھی ضرورت کے مطابق امدادی اور فلاحی سرگرمیوں کو جاری رکھے گا۔

علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال نے کہا کہ سیلاب اور دیگر آفات سے متاثرہ خاندانوں کی امداد اور بحالی میں تعاون کے لیے عوامی سطح پر امدادی رقم جمع کرنے اور متعلقہ اداروں کے ساتھ ضروری رابطہ و تعاون کا سلسلہ جاری رکھا جائے گا

نفرت کے بیچ انسانیت کا پیغام: جامع مسجد نگوہ (بیرگنج) کی جانب سے سیلاب متاثرین کے لیے ۷۵,۷۸۶ روپے تعاون

نیپال اردو ٹائمز (رضوان احمد مصباحی)

بیرگنج، نیپال: قدرتی آفات انسانوں کے درمیان تفریق نہیں کرتیں اور ایسے مشکل وقت میں انسانیت کی خدمت ہی سب سے بڑا پیغام بن جاتی ہے۔ اسی جذبۂ انسانیت اور بھائی چارے کی خوبصورت مثال پیش کرتے ہوئے بیرگنج میٹروپولیٹن سٹی-۱۶، نگوہ ٹول میں واقع جامع مسجد کی جانب سے سیلاب و قدرتی آفت سے متاثرہ شہریوں کی امداد کے لیے ۷۵ ہزار ۷۸۶ روپے وزیر اعظم کے دَیوی آفات امداد فنڈ میں تعاون کیا گیا ہے۔

یہ امداد خصوصاً رسوا، نواکوٹ اور دھادنگ سمیت سیلاب سے متاثرہ علاقوں کے ضرورت مند شہریوں کی مدد کے لیے پیش کی گئی ہے۔ حالانکہ یہ وہی بیرگنج ہے جہاں مساجد اور قرآن مجید کو شرپسند عناصر نے آگ کے حوالے کیا تھا اس لیے حالیہ دنوں میں علاقے میں پیدا ہونے والی تلخ صورت حال کے بعد جامع مسجد نگوہ کی جانب سے متاثرین کی مدد کے لیے آگے بڑھنا امن، بھائی چارے، باہمی اعتماد اور انسانیت دوستی کا ایک مثبت پیغام ہے۔ یہ اقدام اس بات کی یاد دہانی بھی ہے کہ مشکلات کی گھڑی میں مذہب، برادری اور اختلافات سے بالاتر ہو کر ایک دوسرے کا سہارا بننا ہی ایک مہذب اور پُرامن معاشرے کی پہچان ہے۔

آج جب سیلاب سے متاثرہ خاندان مدد اور تعاون کے منتظر ہیں، ایسے میں جامع مسجد نگوہ کی یہ کاوش نہ صرف متاثرین کے لیے عملی مدد ہے بلکہ معاشرے میں محبت، ہمدردی، رواداری اور قومی یکجہتی کو فروغ دینے والا قابلِ قدر قدم بھی ہے۔

اس انسانی خدمت میں تعاون کرنے والے تمام افراد اور جامع مسجد نگوہ کی انتظامیہ کے لیے دلی تشکر کا اظہار کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اس طرح کے مثبت اقدامات معاشرے میں موجود دوریاں کم کرنے اور امن و انسانیت کا پیغام عام کرنے میں مؤثر کردار ادا کریں گے۔

سرہا کے رمل سے سیلاب متاثرین کے لیے ۱۳ لاکھ ۴۴ ہزار ۶۰۰ روپے امداد

سرہا (رمل): سیلاب اور دیگر قدرتی آفات سے متاثرہ شہریوں کی مدد کے

لیے سِرہا کے رمل علاقے کی مسلم برادری کی جانب سے انسانی ہمدردی پر مبنی امدادی مہم چلائی گئی، جس کے تحت مجموعی طور پر ۱۳ لاکھ ۴۴ ہزار ۶۰۰ روپے کی امدادی رقم جمع کی گئی۔
جمع شدہ رقم وزیرِ اعظم قدرتی آفات ریلیف فنڈ میں جمع کرا دی گئی ہے۔
امدادی مہم میں مسلم برادری کے افراد کے ساتھ پولیس انتظامیہ اور مقامی باشندوں نے بھی فعال طور پر حصہ لیا۔
قدرتی آفت کی اس مشکل گھڑی میں باہمی تعاون اور انسانیت کے جذبے کے ساتھ جمع کی گئی یہ خطیر رقم سماجی اتحاد، باہمی بھائی چارے، ہمدردی اور انسانی خدمت کی ایک قابل تحسین مثال ہے۔ یہ امدادی اقدام اس بات کا مظہر ہے کہ مصیبت کے وقت مذہب و برادری سے بالاتر ہو کر ایک دوسرے کا ساتھ دینا ہی حقیقی انسانیت ہے

دوحہ قطر میں تاجدارِ دوعالم کانفرنس کا شاندار انعقاد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک قبلِ ولادت بھی بلند تھا، بعدِ ولادت بھی بلند رہا اور تا قیامت بلند رہے گا: مفتی کلام الدین نعمانی مصباحی

دوحہ، قطر: بارہویں شریف کی مناسبت سے ۲۷ اگست ۲۰۲۶ء بروز جمعرات دوحہ، قطر میں قاضی نیپال فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ بعنوان "تاجدارِ دو عالم کانفرنس" منعقد ہوا، جس میں ملک و بیرونِ ملک سے سینکڑوں علما، فضلا، شعرا، صحافیوں اور عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت کی۔

کانفرنس کی سرپرستی ہمدردِ قوم و ملت حضرت مولانا عبدالقادر اویسی صاحب، سرپرستِ اعلیٰ قاضی نیپال فاؤنڈیشن، نے فرمائی، جبکہ صدارت مخیرِ قوم وملت حضرت مولانا سلامت علی رضوی صاحب، صدر قاضی نیپال فاؤنڈیشن، نے کی۔ نظامت کے فرائض شاعرِ اسلام حضرت مولانا نعیم الدین قادری صاحب، مشیر خاص قاضی نیپال فاؤنڈیشن، نے انجام دیے، جبکہ قیادت نائب صدر قاضی نیپال فاؤنڈیشن، ماہرِ فقہ و افتا حضرت مفتی کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی صاحب، نائب ایڈیٹر نیپال اردو ٹائمز نے فرمائی۔

کانفرنس کا آغاز مولانا غلام نبی صاحب کی تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا، جس کے بعد نعتیہ کلام پیش کیا گیا۔ بعد ازاں حضرت مفتی کلام الدین نعمانی مصباحی صاحب نے فرمان باری تعالیٰ: "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" ** کی روشنی میں نہایت مدلل اور مؤثر خطاب فرمایا۔ اپنے خطاب میں انہوں نے تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ مبارک کی رفعت و عظمت بیان کرتے ہوئے کہا کہ "تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک قبلِ ولادت بھی بلند تھا، بعدِ ولادت بھی بلند رہا اور تا قیامت بلند رہے گا۔" انہوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت سے قبل، بعد از ولادت اور قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ جمیل کے مختلف پہلوؤں کو جامع انداز میں بیان کیا۔ انہوں نے اپنے خطاب کے دوران یہ اشعار بھی پیش کیے:و

رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ سے پتہ چلتا ہے
ذکر اونچا ہے ترا، رتبہ یہ پانے والے
ثنائے حبیبِ خدا خوب صورت
ہے قرآن میں جابجا خوب صورت

کانفرنس میں یکے بعد دیگرے علمائے کرام اور شعرائے عظام نے اپنے نعتیہ کلام اور خطابات سے سامعین کو محظوظ کیا۔ بالخصوص مولانا جوہر نیپالی، مولانا افضل نوری، مولانا وسیم رضا، مولانا نعیم الدین قادری، مولانا ناظر امجدی، مولانا شعیب رضا، مولانا غلام نبی رضوی اور حافظ احمد رضا، صحافی نیپال اردو ٹائمز سمیت دیگر شعرا نے عمدہ نعت خوانی پیش کی۔

اس موقع پر حضرت مولانا سلطان رضا شمسی صاحب نے بھی اصلاحِ معاشرہ کے موضوع پر عمدہ خطاب کیا۔

کانفرنس کے خصوصی خطیب، نیپال اردو ٹائمز کے چیف ایڈیٹر، نباضِ قوم و ملت حضرت مولانا عبدالجبار علیمی صاحب قبلہ نے بھی خصوصی خطاب فرمایا۔ انہوں نے فرمانِ باری تعالیٰ: "إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا" کی روشنی میں نہایت جامع اصلاحی، فکری اور اعتقادی خطاب کیا، جسے حاضرین نے بے حد پسند کیا۔

آخر میں سرپرستِ جلسہ حضرت مولانا عبدالقادر اویسی صاحب نے "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدبرانہ طرزِ زندگی" کے عنوان سے خطاب کیا اور سیرتِ طیبہ کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی۔

وہیں دوسری جانب اس کانفرنس کو خوب صورت و کامیاب بنانے میں نقیب سدا بہار حضرت مولانا سلامت علی رضوی، مولانا عالم اویسی، اور مولانا نور العین صاحبان نے بہت پرزور نقابت کیں، اور اپنے اچھوتے اشعار سے سامعین کے قلب و جگر کو منور فرمادیں. کانفرنس کا اختتام صلاۃ و سلام اور سید تاج الدین صاحب قبلہ کی رقت آمیز دعا کے ساتھ ہوا۔ شرکائے کانفرنس نے منتظمین کو کامیاب اور بامقصد پروگرام کے انعقاد پر مبارک باد پیش کی۔

شرکائے کانفرنس میں: حافظ ارشاد عالم رقیبی، حافظ دلشاد، مولانا عمر رضا، جناب آزاد منصوری، ضمیر الدین صاحب، حیدر علی، ممتاز قادری، عابد حسین، اسلام علی، شریف علی، سمیت متعدد علما، فضلا، شعرا اور معزز شخصیات شامل تھیں۔

از: ابوارشد مصباحی، مہوتری

Editorial

انسانیت کا پیغام!

ایڈیٹر کے قلم سے-----

جب ہم کسی کے درد کو محسوس کر کے اس کے حال و احوال کی خبر لیتے ہیں، اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے ہیں اور مشکل کی گھڑی میں اس کا ہاتھ تھام لیتے ہیں تو اسی جذبے کو انسانیت کہا جاتا ہے۔

انسانیت کسی مذہب، مسلک، ذات، زبان یا سرحد کی محتاج نہیں، یہ وہ جذبہ ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے آنسو میں اپنا عکس دکھاتا ہے اور اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ مصیبت زدہ انسان کو تنہا نہ چھوڑے۔

حالیہ سیلاب نے نیپال کے شمالی علاقوں، خصوصاً رسووا اور ترشولی کے علاقوں میں جس بڑے پیمانے پر تباہی مچائی، اس نے پوری قوم کو صدمے سے دوچار کر دیا۔ قیمتی انسانی جانیں ضائع ہوئیں، ہزاروں افراد متاثر ہوئے، لوگ لاپتہ ہوئے اور سڑکوں، پلوں، بجلی کے منصوبوں اور دیگر بنیادی ڈھانچے کو شدید نقصان پہنچا۔ نیپال اردو ٹائمز کے موجودہ شمارے میں اس سانحے کی شدت، امدادی کارروائیوں اور متاثرہ علاقوں کی صورتِ حال کو تفصیل سے جگہ دی گئی ہے، قارئین کرام بغور مطالعہ کر کے حالات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

یہ محض ایک قدرتی آفت نہیں تھی؛ یہ انسانیت کے لیے بھی ایک امتحان تھا، جب سیلابی پانی نے بستیاں اجاڑیں، خاندانوں کو منتشر کیا اور لوگوں کو اپنے پیاروں کی تلاش میں بے قرار کیا تو نیپال کی سرحدوں سے باہر بھی انسانیت بیدار ہوئی۔ دنیا کے مختلف ممالک اور عالمی اداروں کی جانب سے امداد کا سلسلہ شروع ہوا۔ چین، ہندوستان، امریکہ، آسٹریلیا، سری لنکا، متحدہ عرب امارات، پاکستان، برطانیہ، جاپان، یورپی یونین اور اقوام متحدہ سمیت متعدد ذرائع سے مالی اور امدادی تعاون کی اطلاعات سامنے آئیں۔

متحدہ عرب امارات کی جانب سے ۸۳ ٹن ہنگامی امدادی سامان کی روانگی بھی اسی عالمی انسانی یکجہتی کی ایک روشن مثال ہے۔ مشکل کی گھڑی میں کسی ملک کے عوام کے ساتھ کھڑے ہونا محض سفارتی تعلقات نہیں بلکہ انسانی رشتوں کی پاسداری ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں نیپال اردو ٹائمز اپنے کردار کو بھی محسوس کرتا ہے ایک اخبار صرف خبروں کا مجموعہ نہیں ہوتا۔ اخبار معاشرے کا آئینہ، عوام کی آواز اور مشکل وقت میں اجتماعی شعور کو بیدار کرنے کا ذریعہ بھی ہوتا ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ صحافت کا اصل کمال صرف حادثے کی خبر دینا نہیں، بلکہ حادثے کے پس منظر میں چھپے انسانی درد کو محسوس کرنا، عوام کو ذمہ داری کا احساس دلانا اور معاشرے میں خیر، تعاون اور یکجہتی کے جذبے کو فروغ دینا ہے، اسی مقصد کے تحت نیپال اردو ٹائمز نے اس سانحے کو محض ایک خبر کے طور پر نہیں دیکھا بلکہ انسانی المیے اور قومی آزمائش کے طور پر محسوس کیا ہے۔

مسلمانوں کی جانب سے قومی ریلیف فنڈ میں اجتماعی تعاون اس بات کا اظہار ہے کہ وہ نیپال کے معاشرے اور قومی دھارے کا فعال حصہ ہیں۔ قدرتی آفت کسی سے مذہب نہیں پوچھتی، اس لیے امداد بھی مذہبی تفریق سے بالاتر ہو کر ہونی چاہیے۔ یہی وہ طرزِ عمل ہے جو قومی یکجہتی اور باہمی اعتماد کو مضبوط کرتا ہے۔ اسی تناظر میں علما فاؤنڈیشن نیپال کی مختلف شاخوں اور وابستگان کی امدادی سرگرمیاں بھی قابلِ تحسین ہیں۔ بانکے، جنکپور، سرہا، نول پراسی، روپندیہی اور دیگر علاقوں میں خدمتِ خلق کے لیے آگے بڑھنا اس بات کی علامت ہے کہ دینی و سماجی ادارے قومی بحران کے وقت اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔

ایسے مواقع پر کسی ایک فرد، تنظیم یا حکومت کی کوشش کافی نہیں ہوتی۔ حکومت، مقامی انتظامیہ، سماجی تنظیمیں، مذہبی مراکز، کاروباری طبقہ، رضاکار اور عام شہری، سب کو مل کر ایک منظم امدادی نظام تشکیل دینا چاہیے۔ خود اخبار کے ادارتی جائزے میں بھی اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ بڑے قدرتی بحران سے مؤثر طور پر نمٹنے کے لیے حکومتی اداروں کے ساتھ مقامی اداروں، مذہبی مراکز، سماجی تنظیموں اور شہریوں کا باہمی تعاون ضروری ہے۔ قدرتی آفات کو مکمل طور پر روکنا انسان کے اختیار میں نہیں، لیکن ان کے نقصانات کو کم کرنا ضرور ہمارے اختیار میں ہے۔

اللہ کریم ہمارے ملک کی حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین

راسووا—ترشولی کی تباہی اور مسلمانوں کا قابلِ تحسین کردار

ڈاکٹر سلیم انصاری
جھاپا نیپال

اگست ۲۰۲۶ میں نیپال کے شمالی علاقے رسووا سے آنے والی اچانک اور انتہائی تباہ کن سیلابی لہر نے بھوٹے کوشی اور ترشولی دریائی نظام کو شدید متاثر کیا۔ سیلابی پانی، کیچڑ اور ملبے نے کئی علاقوں میں بڑے پیمانے پر تباہی مچائی۔ قیمتی جانیں ضائع ہوئیں، ہزاروں افراد متاثر ہوئے اور بڑی تعداد میں لوگ لاپتہ ہوگئے۔ سڑکیں، پل، بجلی کے منصوبے، کاروباری مراکز اور دیگر بنیادی ڈھانچے کو بھی شدید نقصان پہنچا۔ اس مشکل وقت میں نیپالی فوج، نیپال پولیس، مسلح پولیس فورس، مقامی انتظامیہ، رضاکاروں اور عام شہریوں نے امداد اور بچاؤ کی کارروائیوں میں بھرپور حصہ لیا۔

اس سانحے کی شدت کا اندازہ تازہ سرکاری اعداد و شمار سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ نیپال کی NDRRMA کے مطابق ۳ ستمبر ۲۰۲۶ تک ۲۵۲،۱ لاشیں برآمد کی جا چکی تھیں، جبکہ ملک بھر میں ۲۱۶،۱۴ افراد اب بھی لاپتہ ہیں۔ ریسکیو ٹیمیں ہائیڈرو پاور منصوبوں کے ان حصوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہیں جہاں سینکڑوں کارکنوں کے سرنگوں کے اندر پھنسے ہونے کا خدشہ ہے۔ دستیاب اطلاعات کے مطابق تقریباً ۹۰۰ کارکن مختلف ہائیڈرو پاور منصوبوں میں لاپتہ یا ممکنہ طور پر پھنسے ہوئے ہیں۔

قدرتی آفت کے ایسے مواقع پر معاشرے کے مختلف طبقات اپنی استطاعت کے مطابق متاثرین کی مدد کے لیے آگے آتے ہیں۔ رسووا—ترشولی کے سانحے کے بعد نیپال کے تمام علاقوں سے مسلمانوں نے بھی امدادی سرگرمیوں میں نمایاں حصہ لیا۔ مساجد، مدارس، ائمہ، علماء، سماجی کارکنان، مختلف اسلامی و سماجی تنظیموں اور عام افراد نے اپنی اپنی سطح پر چندہ جمع کیا اور متاثرہ خاندانوں کے لیے خوراک، کپڑے، پانی، ضروری اشیاء اور دیگر امدادی سامان فراہم کیا۔ بہت سے رضاکاروں نے خود متاثرہ علاقوں تک پہنچ کر امدادی سرگرمیوں میں حصہ لیا اور مقامی سطح پر لوگوں کی مدد کی۔

اس موقع پر مساجد اور مدارس سے ہونے والا ایک اہم اور قابلِ ذکر اقدام یہ تھا کہ بہت سارے مقامات پر جمع کی جانے والی امدادی رقم وزیرِ اعظم ریلیف فنڈ میں جمع کرائی گئی۔ یہ عمل محض مالی تعاون تک محدود نہیں تھا بلکہ اس کی ایک اہم سماجی اور قومی معنویت بھی تھی۔ اس سے یہ پیغام سامنے آیا کہ مساجد اور مدارس عبادت اور دینی تعلیم کے مراکز ہونے کے ساتھ ساتھ قومی ضرورت کے وقت سماجی ذمہ داری ادا کرنے والے ادارے بھی ہیں۔ عام لوگوں کے درمیان بھی اس طرزِ عمل سے مساجد اور مدارس کے بارے میں مثبت تاثر مضبوط ہوا کہ یہ ادارے معاشرے کی مشکلات میں عملی طور پر شریک ہوتے ہیں۔

وزیرِ اعظم ریلیف فنڈ میں حصہ لینا اس اعتبار سے بھی اہم تھا کہ مسلمان نیپال کے معاشرے اور قومی دھارے کا ایک حصہ ہیں۔ جس طرح ملک کے دیگر شہریوں نے قومی ریلیف فنڈ میں اپنا حصہ ڈالا، اسی طرح مسلمانوں کی جانب سے بھی اس فنڈ میں انفرادی اور اجتماعی طور پر تعاون کرنا قومی یکجہتی اور مشترکہ ذمہ داری کا واضح اظہار ہے۔ اس سے یہ احساس مضبوط ہوتا ہے کہ قدرتی آفت، انسانی بحران اور قومی مشکل کے وقت مذہبی یا تنظیمی شناخت سے بالاتر ہو کر سب ایک ہی قومی مقصد کے لیے متحد ہو سکتے ہیں۔

اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی قابلِ ذکر ہے کہ متعدد افراد، جماعتوں، جمعیات اور سماجی و مذہبی تنظیموں نے اپنے اپنے پلیٹ فارم کے ذریعے چندہ جمع کیا اور براہِ راست متاثرین تک امداد پہنچائی۔ ایسے اقدامات کی اپنی اہمیت ہے، کیونکہ مقامی تنظیمیں اپنے رضاکاروں، روابط اور مقامی معلومات کے ذریعے فوری طور پر ضرورت مند خاندانوں تک پہنچ سکتی ہیں۔ تاہم، قومی سطح کے بڑے بحران میں مشترکہ ریلیف فنڈ میں تعاون کرنے کی اپنی الگ اہمیت ہے۔ اس سے امدادی کوششوں کو وسیع قومی دائرے سے جوڑنے، وسائل کو منظم انداز میں استعمال کرنے اور اجتماعی یکجہتی کا اظہار کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اس پورے عمل میں علماء، ائمہ، دانشوروں، سماجی کارکنوں اور مسلم رہنماؤں کا کردار بھی اہم ہے۔

ائمہ مساجد نے نمازوں اور خصوصاً جمعہ کے اجتماعات کے ذریعے لوگوں کو متاثرین کی مدد کی طرف متوجہ کیا۔ علماء نے لوگوں میں اعتماد پیدا کرنے، امداد کے درست استعمال کی اہمیت اجاگر کرنے اور ضرورت مندوں تک وسائل پہنچانے میں رہنمائی فراہم کی۔ دانشور اور سماجی کارکن اس تجربے کو مستقبل کی آفات کے لیے بہتر تیاری، رضاکارانہ نیٹ ورک، فوری امداد اور شفاف نظامِ تعاون سے جوڑ سکتے ہیں۔ مسلم رہنما مختلف مساجد، مدارس، تنظیموں اور مقامی اداروں کے درمیان بہتر رابطہ اور ہم آہنگی پیدا کرنے میں مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔

اس سانحے نے یہ بھی واضح کیا کہ کسی بھی بڑی قدرتی آفت سے مؤثر انداز میں نمٹنے کے لیے صرف سرکاری اداروں پر انحصار کافی نہیں۔ حکومت، مقامی اداروں، مذہبی مراکز، سماجی تنظیموں اور عام شہریوں کے درمیان تعاون ضروری ہے۔ اگر مساجد، مدارس اور دیگر سماجی ادارے پہلے سے منظم رضاکارانہ نظام، عطیات کی شفافیت، ہنگامی رابطہ کاری اور مقامی سطح پر امدادی منصوبہ بندی پر توجہ دیں تو مستقبل میں کسی بھی آفت کے وقت زیادہ تیزی اور مؤثر انداز میں متاثرین کی مدد کی جا سکتی ہے۔

رسووا—ترشولی کا سانحہ ایک بار پھر یاد دلاتا ہے کہ قدرتی آفات کسی مذہب، ذات یا زبان میں فرق نہیں کرتیں، اس لیے امداد بھی بلا تفریق ہونی چاہیے۔ مسلمانوں کی امدادی سرگرمیاں اس بات کا مثبت اظہار ہیں کہ وہ نیپال کے معاشرے اور قومی زندگی کا فعال حصہ ہیں اور قومی بحران کے وقت اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے آگے آتے ہیں۔ وزیرِ اعظم ریلیف فنڈ میں مساجد و مدارس کے ذریعے تعاون اور دوسری جانب مختلف تنظیموں و افراد کی براہِ راست امدادی کوششیں، دونوں مل کر قومی یکجہتی، باہمی تعاون اور انسانی ہمدردی کی ایک مثبت تصویر پیش کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام متاثرین کی حفاظت فرمائے، جاں بحق ہونے والوں کی مغفرت فرمائے-----

نیپال کا سیلاب: سوال رب سے پہلے خود سے کیجیے!!!

شرف الدین سید بنگلور
۹۳۴۲۵۲۲۳۴۶

نیپال کی وادیوں میں آنے والا سیلاب اپنے ساتھ صرف پانی نہیں لایا؛ وہ اپنے ساتھ انسان کے کئی سوال بھی بہالے گیا۔ کیلاش اور مانسروور پر جانے والے بعض دھارمک یاتری اس قدرتی آفت کا شکار ہوگئے۔ ان المناک مناظر کو دیکھ کر دردمند آنکھوں سے آنسو نکلے۔ ظاہر ہے، آنسو انسان ہونے کی علامت ہیں، روحانی مقام کی نفی نہیں۔ دکھ کے سامنے بڑا سے بڑا فلسفی، دانشور یا روحانی پیشوا بھی ایک لمحے کے لیے صرف انسان رہ جاتا ہے۔ آخر درد کسی سے پوچھ کر تو نہیں آتا کہ تم سدگرو ہو یا عام انسان! کوئی بھی جسمانی تکلیف سے مستثنیٰ نہیں۔ چاہے وہ ذہنی سکون کی بلند منزل کا تصور اپنی جگہ، مگر جسم اپنے قوانین رکھتا ہے۔ بیماری، بڑھاپا، درد اور موت نے آج تک کسی انسان کے ساتھ خصوصی رعایت نہیں کی۔ موت شاید دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے؛ اس میں نہ بادشاہ کا استثنا ہے، نہ فقیر کا، نہ ملحد کا، نہ مذہبی پیشوا کا۔

اسلام بھی انسان کو اسی بنیادی حقیقت سے آگاہ کرتا ہے: ”ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔“ یعنی موت کسی خاص طبقے، عقیدے یا روحانی مرتبے سے اجازت لے کر نہیں آتی۔ زندگی اور موت کا اختیار انسان کے ہاتھ میں نہیں۔ یہی وہ سچ ہے جس سے انسان اکثر نظریں چراتا ہے۔ پھر ذمہ دار کون ہے؟

سیلاب آیا، لوگ بہہ گئے، زندگیاں ختم ہوگئیں۔ سوال اٹھا: ذمہ دار کون ہے؟ حکومت؟ انتظامیہ؟ قدرت؟ یا روحانی پیشوا؟ حکومت سے سوال ضرور ہونا چاہیے۔

کیا موسمی پیش گوئی کو سنجیدگی سے لیا گیا؟ کیا یاتریوں کو بروقت خبردار کیا گیا؟ کیا خطرناک علاقوں میں سفر کے لیے مناسب حفاظتی انتظامات تھے؟ حادثے کے بعد امدادی کارروائیاں کتنی تیز اور مؤثر تھیں؟ یہ سب جائز سوالات ہیں۔ لیکن حکومت سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ہر قدرتی آفت کو روک دے گی، حقیقت پسندانہ نہیں۔ انسان نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے ذریعے خطرات کی پیش گوئی اور نقصانات کو کم کرنے کے طریقے ضرور ایجاد کیے ہیں، مگر قدرت کے ہر طوفان کو روک دینے کی طاقت ابھی اس کے پاس نہیں۔

اسلام بھی انسان کو اسباب اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ توکل کا مطلب اسباب کو چھوڑ دینا نہیں؛ اسباب اختیار کر کے نتیجہ اللہ پر چھوڑنا ہے۔ کشتی میں سوراخ ہو اور مسافر صرف دعا کرے تو یہ توکل نہیں، حماقت ہے۔ پہلے کشتی کا سوراخ بند کرنا ہوگا، پھر اللہ پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ پھر کسی کو کٹھرے میں کیسے کھڑا کیا جائے؟ سیلاب سے پوچھیں: تم نے یہ گھر کیوں ڈبویا؟ زلزلے سے کہیں: تم نے فلاں شخص کو کیوں مارا؟ طوفان سے مطالبہ کریں: تم نے ہماری عبادت گاہ کو کیوں نقصان پہنچایا؟ قدرت جواب نہیں دے گی۔

کیونکہ قدرت کا اپنا اصول ہے۔ وہ اپنے قوانین کے مطابق چلتی ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ کائنات بے مقصد اور بے مہار نہیں۔ اس کے پیچھے ایک خالق کی حکمت ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر حادثے کو انسان اپنی محدود عقل سے فوراً کسی ایک مخصوص ”الٰہی سبب“ سے جوڑ دے۔ ہم نہیں جانتے کہ کسی خاص سانحے کے پیچھے اللہ کی حکمت کیا تھی۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہماری عقل محدود ہے اور اللہ کا علم لامحدود۔ یہی مقام انسان کو عاجزی سکھاتا ہے۔

تو کیا دھارمک ٹھیکیدار ذمہ دار ہیں؟ نہیں۔ وہ بھی انسان ہیں۔ ان کے پاس بھی قدرت کے قوانین کو معطل کر دینے کا کوئی ثابت شدہ اختیار نہیں۔ ان کے عقیدت مند انہیں جس روحانی مقام پر رکھتے ہوں، وہ ان کا اعتقادی معاملہ ہے؛ اسے سائنسی حقیقت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کسی شخص کا احترام ایک بات ہے۔ اس سے رہنمائی حاصل کرنا دوسری بات۔ لیکن اسے قدرت کے قوانین سے بالاتر سمجھ لینا بالکل الگ بات ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عقیدت کبھی کبھی عقل کا ہاتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اسلام یہاں ایک نہایت واضح اصول دیتا ہے: انسان، خواہ کتنا ہی بزرگ کیوں نہ ہو، بندہ ہے؛ معبود نہیں۔ اسلام نے تو اپنے سب سے عظیم پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بھی واضح کر دیا کہ وہ بشر اور اللہ کے بندے ہیں۔ جب نبی بھی عبد ہیں تو کوئی عام انسان خدا کے اختیارات کا مالک کیسے ہو سکتا ہے؟

یہی توحید کا بنیادی سبق ہے۔ اختیارِ مطلق صرف اللہ کے پاس ہے۔ بعض ذہنوں میں ایسے سوال اٹھ سکتے ہیں، اگر یہ بندے تھے تو انہیں کیوں نہ بچایا؟ کیا یہ سوال مذہب دشمنی ہے؟ کیا خدا سے سوال کرنا توہین ہے؟ کیا سوال کرنے والا لازماً کافر یا ملحد ہو جاتا ہے؟ یا سوال کرنا انسانی عقل کی فطری ضرورت ہے؟ اسلام سوال کرنے سے منع نہیں کرتا۔ قرآن بار بار انسان کو غور، فکر، تدبر اور تعقل کی دعوت دیتا ہے۔ لیکن اسلام یہ بھی سکھاتا ہے کہ انسانی عقل اپنی حدود رکھتی ہے۔ ہر سوال کا جواب ہماری فوری سمجھ میں آ جائے، یہ ضروری نہیں۔

قرآن کہتا ہے: ”اور تمہیں علم میں سے بہت تھوڑا دیا گیا ہے۔“ یہ ایک مختصر مگر زبردست تنبیہ ہے۔ ہمیں سوال کرنے کا حق ہے، مگر یہ دعویٰ کرنے کا حق نہیں کہ ہماری محدود عقل کائنات کے ہر راز کو سمجھ چکی ہے۔

یہاں اسلامی فکر ہمیں دو انتہاؤں سے بچاتی ہے: ایک طرف اندھی عقیدت، اور دوسری طرف ایسا تکبر کہ انسان اپنی عقل کو آخری معیار سمجھ بیٹھے۔ لیکن ایک سوال رب سے پہلے اپنے آپ سے بھی تو ہونا چاہیے! ہم خدا سے سوال کرتے ہیں، مگر اپنے آپ سے کب سوال کریں گے؟ کیا ہم نے خطرے کو دعوت نہیں دی؟

ہم پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر بستیاں بناتے ہیں۔ دریاؤں کے قدرتی راستے تنگ کرتے ہیں۔ جنگلات کاٹتے ہیں۔ پہاڑوں کو تعمیرات کے لیے کھودتے ہیں۔ قدرتی ماحول میں مسلسل مداخلت کرتے ہیں۔

پھر جب بارش اپنی رفتار سے برس جائے اور دریا اپنی پرانی راہ یاد کر لے تو ہم فوراً کہہ دیتے ہیں:

”قدرت کا قہر!“ کیا یہ پورا سچ ہے؟

قدرتی آفات ہمیشہ سے آتی رہی ہیں، مگر انسانی غفلت بھی کبھی کبھی تباہی کو کئی گنا بڑھا دیتی ہے۔

اسلام کا اصول صاف ہے: ”اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔“ یعنی انسان کو اپنی جان کی حفاظت بھی کرنی ہے اور اپنے اعمال کے نتائج کو بھی سمجھنا ہے۔

صرف یہ کہہ دینا کہ ”جو اللہ کو منظور“ وہی ہوگا، انسانی ذمہ داری سے فرار کا جواز نہیں بن سکتا۔

اگر حادثے سے پہلے احتیاط ممکن تھی اور ہم نے نہیں کی، تو یہ تقدیر نہیں، ہماری کوتاہی بھی ہو سکتی ہے۔ تقدیر کا مطلب بے عملی نہیں یہاں اسلامی تصورِ تقدیر کو سمجھنا ضروری ہے۔ تقدیر پر ایمان کا مطلب یہ نہیں کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں توکل کے ساتھ تدبیر کی بڑی اہمیت ہے۔ انسان کو اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کرنی ہے، خطرے سے بچنا ہے، علاج کرنا ہے، سفر میں احتیاط کرنی ہے، اور پھر جو نتیجہ سامنے آئے اسے اللہ کی مشیت سمجھ کر صبر کرنا ہے۔ تقدیر انسان کو ذمہ داری سے آزاد نہیں کرتی؛ بلکہ ذمہ داری کے بعد صبر کا حوصلہ دیتی ہے۔ یہ فرق اگر سمجھ میں آ جائے تو مذہب اور عقل کے درمیان بہت سی مصنوعی دیواریں خود بخود گر سکتی ہیں۔ روحانیت یا روحانیت کی مارکیٹنگ؟ روحانیت انسان کو اپنے اندر جھانکنا سکھاتی ہے۔

وہ اسے عاجزی سکھاتی ہے۔ اسے اپنے نفس کا احتساب سکھاتی ہے۔ اسے دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ لیکن جب روحانیت ایک برانڈ بن جائے، عقیدت ایک مارکیٹ بن جائے، شخصیت پرستی ایک صنعت بن جائے، اور خوف و امید کو پیکج بنا کر فروخت کیا جانے لگے تو سوال اٹھنا فطری ہے: یہ روحانیت ہے یا روحانیت کی مارکیٹنگ؟

اسلام نے تو روحانی پیشوا کو بھی انسان ہی رکھا ہے۔

نہ پیر کو خدا بنایا، نہ عالم کو معصوم، نہ بزرگ کو قدرت کا مالک۔ اسلامی روایت میں انسان کی عظمت ضرور ہے، مگر عبادت صرف اللہ کے لیے ہے۔ یہی توحید انسان کو شخصیت پرستی سے آزاد کرتی ہے۔ اگر کوئی روحانی رہنما انسان کو اپنے اوپر منحصر بنانے کے بجائے اسے اللہ سے جوڑتا ہے، عقل استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے، اخلاق سکھاتا ہے، دوسروں کے حقوق کا خیال دلاتا ہے اور اپنے نفس کا احتساب کرنے کی دعوت دیتا ہے تو اس کی روحانیت انسان کے لیے نعمت بن سکتی ہے۔

لیکن اگر کوئی روحانیت انسان کو یہ یقین دلائے کہ نجات کسی خاص شخصیت کے گرد گھومتی ہے، تو وہاں سوال ضرور ہونا چاہیے۔ کیونکہ جو روحانیت انسان کو آزاد کرنے کے بجائے غلام بنا دے، اس پر غور ضروری ہے۔

ہمیں معجزے نہیں، شعور چاہیے ہم مصیبت میں دعا کریں، ضرور کریں۔ مگر ساتھ ہی احتیاط بھی کریں۔ ہم اللہ پر بھروسہ کریں، ضرور کریں۔ مگر خطرے میں آنکھیں بند نہ کریں۔ ہم روحانی رہنماؤں کا احترام کریں، ضرور کریں۔

مگر اپنی عقل ان کے حوالے نہ کر دیں۔ ہم موت پر غم کریں، ضرور کریں۔ مگر موت کے فطری ہونے کی حقیقت سے آنکھ نہ چرائیں۔ دعا دل کو سنبھال سکتی ہے، مگر سیلاب سے بچنے کے لیے محفوظ راستہ بھی چاہیے۔ ایمان حوصلہ دے سکتا ہے، مگر موسم کی پیش گوئی بھی سننی چاہیے۔ توکل سکون دے سکتا ہے، مگر تدبیر بھی ضروری ہے۔ اور سب سے بڑھ کر: اللہ پر بھروسہ کیجیے، مگر اللہ کی دی ہوئی عقل کو استعمال بھی کیجیے۔

ہم دوسروں سے سوال کرتے ہیں، مگر اپنے آپ سے نہیں۔ ہم خدا سے شکوہ کرتے ہیں، مگر اپنی بے احتیاطی کا حساب نہیں لیتے۔ ہم قدرت کو ”غضب ناک“ کہتے ہیں، مگر ماحول کے ساتھ اپنے سلوک کو نہیں دیکھتے۔ ہم روحانی پیشوا سے معجزے کی توقع کرتے ہیں، مگر اپنی عقل اور ذمہ داری کو استعمال نہیں کرتے۔ ہم ہر حادثے کے بعد ماتم کرتے ہیں، پھر کچھ دن بعد وہی غلطیاں دوبارہ شروع کر دیتے ہیں۔ یہی شاید ہمارا اصل المیہ ہے: ہمیں حادثے یاد رہتے ہیں، مگر سبق یاد نہیں رہتا۔

قسط دوم آئندہ شمارے میں ان شاء اللہ

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

سورہ الکہف میں تین اہم واقعات کا تذکرہ۔ ایک مختصر جائزہ۔

ماجد مجید
کشمیر یونیورسٹی سرینگر

سورہ الکہف لگ بھگ ۶ نبوی میں نازل ہوئی یعنی اعلان نبوت کے چھ سال بعد اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چھیالیس برس تھی یہ مکی سورت بارہ رکوعوں اور ایک سو دس آیات پر مشتمل پندرھویں اور سولہویں پارہ کے بیچ میں قرآن مجید کی اٹھارھویں سورت ہے اس سورت کے تین اہم واقعات میں پہلا واقعہ اصحاب کہف کا بیان ہے اور مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ اگر مکہ مکرمہ کے مشرکوں نے آپ کے مکہ میں رہنے کا دائرہ تنگ کر دیا تو جیسے اصحاب کہف غار میں پناہ گزین ہوگئے تم بھی ھجرت کر دو چنانچہ اس سلسلے میں پہلی ہجرت حبشہ ہوگئی مشرکوں نے ان کا پیچھا کیا لیکن ناکام رہے۔ دوسرا اہم واقعہ جس کا ذکر اس سورت میں آیا ہے وہ ہے حضرت موسی کا اور اللہ کے ایک خاص بندے (خضر) کے ساتھ ایک سفر کا ذکر ہے۔ روایات میں آیا ہے کہ حضرت موسی نے ایک بار لوگوں سے کہا کہ میں اپ کے درمیان اس وقت کا سب سے بڑا عالم ہوں پھر جب اللہ سے ہم کلام ہوئے تو اللہ نے فرمایا کہ (تونے یہ کیوں کہا کہ میں اس وقت کا سب سے بڑا عالم ہوں جبکہ اللہ نے اپنے ایک خاص بندے کو علم لدنی سے نوازا ہے لہذا تم کچھ عرصہ میرے اس بندے کی تربیت میں گزار کے فیض حاصل کرو) موسی علیہ السلام نے عرض کیا "بار الہا اپنے اس بندے سے ملنے کی کیا نشانی ہے " اللہ نے فرمایا (ایک بھنی مچھلی ساتھ رکھو اور دو دریاؤں کے ملنے کا سفر کرو جہاں مچھلی زندہ ہو جائے گی تیری ملاقات میرے اس بندے سے ہو جائے گی) پس حضرت موسی علیہ السلام اپنے ایک غلام "یوشع بن نون" اور بھنی مچھلی کو ٹوکری میں ساتھ لے جاکر اپنے سفر پر روانہ ہوئے جب تھکن محسوس ہوئی تو ایک چٹان کے ساتھ سر ٹیکے لگائے بیٹھے اور حضرت موسی علیہ السلام کو اونگھ آگئی اتنے میں مچھلی زندہ ہو کر ٹوکری سے باہر نکلی اور چلتے چلتے سرنگ بناتے دریا میں کود گئی غلام نے مچھلی کا یہ منظر دیکھ لیا اور زیادہ دھیان نہیں دیا ممکن ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام نے اپنے غلام سے مچھلی کا تذکرہ نہ کیا تھا۔ بہر حال جب حضرت موسی علیہ السلام جاگے اور آگے سفر پر روانہ ہوئے تو اپنے غلام سے کہا کہ ہمارا ناشتہ پیش کرو اس سفر میں بہت تھکان ہوگئی، غلام نے کہا دیکھئے جب ہم چٹان کے پاس کچھ وقت ٹھہرے مچھلی زندہ ہو کر ٹوکری سے نکل کر اپنے چلنے سے سرنگ بنا کر عجیب طریقے سے دریا میں کود گئی اور شیطان نے مجھے اس کا تذکرہ کرنا بھلا دیا حضرت موسی علیہ السلام واپس اسی جگہ لوٹے جہاں مچھلی کا واقعہ پیش آیا اور اللہ کے خاص بندے (خضر) سے ملاقات ہوئی اور اپنے ساتھ رکھ کر علم لدنی سیکھنے کی التجا کی پھر دونوں متفق ہوگئے اور آگے روانہ ہوئے راستے میں خضر نے تین ایسے کام سر انجام دئے کہ حضرت موسی صبر نہ کر سکے پھر خضر نے ان کی حقیقت بیان فرمائی کہ اس نے یہ تین کام اللہ کے حکم سے سرانجام دئے۔ سورہ الکہف کے اس دوسرے واقعے سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ نتائج ہمیشہ ظاہری حالات کے مطابق نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات ظاہری حالات کے بالکل برعکس ہوتے ہیں لہذا اس واقعے میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ پنہاں ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اس وقت جو ظلم وتشدد برپا ہے اس کے نتائج بالکل برعکس نکلیں گے اور یہ سرکش مشرکین اگر ایمان نہ لائے تو آئندہ ان ہی مقہور و مجبور مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو کر اپنی قسمت کے فیصلے کے لئے پیش ہوں گے۔ سورہ الکہف کے تیسرے یعنی ذوالقرنین کے واقعے میں چند خاص باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ (۱) یہ کہ زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔ (۲) یہ کہ فلاح و کامرانی ایمان ہی کی راہ میں ہے، کفر کی راہ میں نہیں۔ (۳) یہ کہ اللہ تعالیٰ رہ رہ کر اپنے بندوں میں سے ایسے افراد کھڑے کرتا رہتا ہے جو مجبور و مقہور انسانوں کو اس دور کے یاجوج و ماجوج سے نجات دلاتے ہیں۔ (۴) یہ کہ اللہ کے صالح بندے ہی زمین کی وراثت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

ماجد مجید
کشمیر یونیورسٹی سرینگر

یہ وقت نفرت کا نہیں، نیپال کے ساتھ کھڑے ہونے کا ہے

محمد عمران ندوی

آج ہمارا پیارا وطن نیپال ایک انتہائی کربناک اور آزمائش کی گھڑی سے گزر رہا ہے۔ حالیہ تباہ کن سیلاب نے ملک کے کئی علاقوں میں ایسی تباہی مچائی ہے کہ ہر حساس دل غم سے نڈھال ہے۔ کسی کا گھر اجڑ گیا، کسی کا کاروبار تباہ ہو گیا، کوئی اپنے پیارے سے محروم ہو گیا اور کوئی آج بھی اپنے مستقبل کی فکر میں پریشان ہے۔ یہ صرف نیپال کا دکھ نہیں، بلکہ ہر اس انسان کا دکھ ہے جس کے دل میں انسانیت زندہ ہے۔
ایسے وقت میں پوری نیپالی قوم کو ایک دوسرے کا سہارا بن کر کھڑا ہونا چاہیے، کیونکہ قدرتی آفت مذہب، ذات، زبان اور علاقے کی تفریق نہیں کرتی۔

اس مشکل گھڑی میں نیپالی مسلمان بھی اپنے وطن کے دوسرے شہریوں کے ساتھ برابر کھڑے ہیں۔ جہاں کہیں مدد کی ضرورت محسوس ہوئی، وہاں مسلمانوں نے اپنی استطاعت کے مطابق مالی تعاون کیا، دعاؤں کے لیے ہاتھ اٹھائے، متاثرین کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور سوشل میڈیا کے ذریعے بھی اہلِ وطن سے بڑھ چڑھ کر امداد کرنے کی اپیل کی۔
ہمارے لیے یہ صرف کسی ایک طبقے کا مسئلہ نہیں؛ یہ ہمارے وطن نیپال کا مسئلہ ہے، اور نیپال کا دکھ ہمارا دکھ ہے۔ ہم آج بھی اپنے مصیبت زدہ بھائی بہنوں کے ساتھ کھڑے ہیں اور ان شاء اللہ جب تک ضرورت باقی ہے، اپنی استطاعت کے مطابق ان کی مدد کرتے رہیں گے۔

لیکن دل کو سب سے زیادہ تکلیف اس وقت ہوتی ہے جب اسی قومی مصیبت کے درمیان کچھ نفرت پسند اور خصوصاً مدھیش طرف کے ہندو شرپسند عناصر سوشل میڈیا پر زہر گھولنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ کوئی مسلمانوں کو اس سانحے کا ذمہ دار قرار دیتا ہے، کوئی مذہبی منافرت پھیلاتا ہے، کوئی کمنٹس میں گالی گلوچ کرتا ہے اور بعض لوگ تو اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں بھی نازیبا الفاظ استعمال کرنے سے باز نہیں آتے۔ ایسے لوگوں کو سمجھنا چاہیے کہ وطن کی مصیبت کے وقت نفرت کی آگ بھڑکانا نیپال سے محبت نہیں بلکہ نیپال کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہے۔

ہم نیپال حکومت اور نیپال پولیس سے مؤدبانہ گزارش کرتے ہیں کہ سوشل میڈیا پر نفرت پھیلانے، مذہبی جذبات کو مجروح کرنے، گالی گلوچ کرنے اور لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف اکسانے والے عناصر کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کی جائے۔ آزادیِ اظہار کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ کسی کو دوسروں کے مذہب، مقدسات یا عزت و احترام کو پامال کرنے کی آزادی حاصل ہو جائے۔ قانون سب کے لیے برابر ہونا چاہیے اور جو شخص معاشرے میں نفرت اور فساد پھیلانے کی کوشش کرے، اسے قانون کے دائرے میں لانا ضروری ہے۔

اور افسوس کی بات یہ بھی ہے کہ نیپال سے باہر بیٹھے کچھ نفرت پسند عناصر منافق مسلمان اس تباہی پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں اور سوشل میڈیا پر یہ کہہ رہے ہیں کہ "اللہ کا عذاب آگیا" اور اس پر خوشی منا رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ دوسروں کی مصیبت پر خوش ہونے سے پہلے اپنے دل اور اپنے اعمال میں جھانک کر دیکھو۔ اگر اپنے اوپر مصیبت آئے تو اسے آزمائش، امتحان اور صبر کا موقع قرار دیتے ہو، تو دوسروں پر مصیبت آنے پر فوراً اسے اللہ کا عذاب قرار دینے کا اختیار تمہیں کس نے دیا؟ کسی قدرتی آفت کے بارے میں حتمی فیصلہ سنانا کہ یہ فلاں قوم پر اللہ کا عذاب ہے، انسان کے اختیار میں نہیں؛ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کسی واقعے کی اصل حقیقت کیا ہے۔
مصیبت زدہ انسان کی تکلیف کو اپنی شہرت، سیاسی مفاد یا نفرت پھیلانے کا ذریعہ بنانا کسی بھی صورت انسانیت نہیں۔ مذہب ہمیں دوسروں کی تکلیف پر خوش ہونا نہیں، بلکہ مظلوم و مصیبت زدہ انسان کے ساتھ ہمدردی کرنا سکھاتا ہے۔ اگر واقعی دل میں دین اور انسانیت کا درد ہے تو کسی کے دکھ پر جشن منانے کے بجائے اس کے لیے دعا کرو، اس کی مدد کرو اور اس کے غم کو کم کرنے کی کوشش کرو۔

آج نیپال کو نفرت کی نہیں، محبت کی ضرورت ہے؛ الزام تراشی کی نہیں، اتحاد کی ضرورت ہے؛ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی نہیں، ایک دوسرے کا ہاتھ تھامنے کی ضرورت ہے۔ ہم سب سے پہلے نیپالی ہیں، یہ وطن ہم سب کا مشترکہ گھر ہے، اور جب اس گھر پر مصیبت آتی ہے تو اس کے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ اپنے اختلافات بھلا کر اپنے وطن کے ساتھ کھڑا ہو۔
ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ سیلاب نے ہمارے گھروں، راستوں اور بستیوں کو نقصان پہنچایا ہے، لیکن ہمیں اپنے دلوں میں نفرت کا سیلاب نہیں آنے دینا۔ آج اگر کوئی مسلمان اپنے نیپالی بھائی کے لیے چند روپے عطیہ کرتا ہے، کسی متاثرہ خاندان کے لیے راشن پہنچاتا ہے، دعا کرتا ہے یا لوگوں سے امداد کی اپیل کرتا ہے تو وہ صرف ایک فرد کی مدد نہیں کر رہا، بلکہ اپنے وطن کی خدمت کر رہا ہے۔ اسی طرح جو بھی نیپالی شہری کسی مصیبت زدہ انسان کی مدد کرتا ہے، وہ اس ملک کی انسانیت اور اتحاد کو مضبوط کرتا ہے۔

یہ وقت ایک دوسرے سے پوچھنے کا نہیں کہ تم کس مذہب سے ہو؛ یہ وقت ایک دوسرے سے پوچھنے کا ہے کہ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے۔ یہ وقت نفرت کے نعرے لگانے کا نہیں، امداد کے ہاتھ بڑھانے کا ہے۔ یہ وقت سوشل میڈیا پر گالیاں دینے کا نہیں، دعاؤں اور ہمدردی کے پیغامات پھیلانے کا ہے۔ یہ وقت نیپال کو تقسیم کرنے کا نہیں، بلکہ پوری قوت کے ساتھ یہ ثابت کرنے کا ہے کہ مشکل وقت میں نیپالی قوم ایک ہے۔

ہم اپنے وطن نیپال کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سرزمین کو ہر آفت، مصیبت اور تباہی سے محفوظ فرمائے، تمام متاثرین کی حفاظت فرمائے، جاں بحق ہونے والوں کی مغفرت فرمائے، زخمیوں کو صحت عطا فرمائے اور جن کے گھر اور روزگار تباہ ہوئے ہیں، انہیں پہلے سے بہتر زندگی عطا فرمائے۔
نیپال ہمارا وطن ہے، نیپال ہمارا گھر ہے، نیپال کا دکھ ہمارا دکھ ہے اور نیپال کی خوشی ہماری خوشی ہے۔
آئیں عہد کریں کہ ہم نفرت کے بجائے محبت، تعصب کے بجائے انسانیت اور تقسیم کے بجائے اتحاد کو فروغ دیں گے۔ کیونکہ قدرتی آفات ہمیں توڑنے نہیں، بلکہ یہ یاد دلانے آتی ہیں کہ ہم سب ایک دوسرے کے سہارے ہیں۔
نیپال زندہ باد

"غزل"

تابش ردولوی

صبا کے رخش پہ ہر روز آنا جانا تھا
گلوں کے شہر میں اپنا بھی آشیانہ تھا

عجیب دن تھے ، عجب رات کا فسانہ تھا
محبتوں کا زمانہ بھی کیا زمانہ تھا

بہار ہو کہ خزاں ، مجھ کو ایک جیسے تھے
کہ تیرے ساتھ کا موسم بڑا سہانا تھا

کسی کے عشق میں خود کو بھلا دیا میں نے
زمانہ یاد کرے گا، کوئی دوانہ تھا

زباں پہ آئی ہوئی بات بھی نہ کہہ پائے
کسی کے ترکِ تعلق کو جو نبھانا تھا

سراپا آپ ہی قرطاس پر اُتر آیا
زباں کا حُسن تھا یا کلک والہانہ تھا

کھلا ہے راز ابھی لا شعور کا مجھ پر
جسے دوانہ سمجھتے تھے، ایک دانا تھا

کئی دنوں سے عجب کشمکش میں ہے تابش
وہی ہے یاد کا محور جسے بُھلانا تھا

موبائل۔ ۹۵۸۰۲۲۸۰۰۳

ہم نے اسلام بولنا سیکھ لیا ہے، اسلام جینا نہیں

محمد فداء المصطفیٰ قادری
پی جی ریسرچ اسکالر:
دارالہدیٰ اسلامک یونیورسٹی، کیرالا، انڈیا

تاریخِ انسانیت میں کچھ قومیں اپنی سلطنتوں کی وجہ سے زندہ رہتی ہیں، کچھ اپنے علوم و فنون کی بنا پر یاد رکھی جاتی ہیں، مگر امتِ محمدیہ کی شناخت نہ اس کے محلات تھے، نہ اس کی دولت، نہ اس کی فوجیں، بلکہ اس کی اصل پہچان اس کا کردار تھا۔ یہ وہ امت تھی جس کے افراد کو دیکھ کر قرآن کی تفسیر سمجھ میں آتی تھی، جس کے اخلاق میں سنتِ رسول ﷺ جھلکتی تھی، جس کے معاملات میں دیانت بولتی تھی، جس کی تجارت میں امانت دکھائی دیتی تھی، جس کے گھروں میں محبت اور رحم تھا، جس کے دلوں میں آخرت کی فکر اور اللہ کا خوف زندہ تھا۔ اس امت کے پاس اسلام صرف ایک عقیدہ نہیں تھا، بلکہ سانس لینے سے لے کر دنیا سے رخصت ہونے تک زندگی کا مکمل نظام تھا۔
آج بھی ہمارے پاس وہی قرآن ہے، وہی کعبہ ہے، وہی اذان ہے، وہی کلمہ ہے، وہی رسول اللہ ﷺ ہیں جن سے محبت کا دعویٰ ہم کرتے ہیں، مگر افسوس! وہ زندگی نہیں رہی جس نے کبھی دنیا کو حیران کر دیا تھا۔ ہم نے اسلام کو پڑھ لیا، پڑھا بھی دیا، لکھ لیا، لکھا بھی دیا، بول لیا، سنا بھی دیا، مگر اسے جینا بھول گئے۔ یہی ہمارے زوال کی سب سے بڑی وجہ ہے۔
رسولِ اکرم ﷺ نے اسلام کو صرف الفاظ میں پیش نہیں فرمایا بلکہ اپنی پوری حیاتِ مبارکہ سے اس کی عملی تصویر دنیا کے سامنے رکھی۔ آپ ﷺ کی راتیں عبادت میں گزرتی تھیں، دن خدمتِ خلق میں، دشمنوں کے لیے بھی دل میں رحم تھا، یتیموں کے لیے شفقت تھی، بیواؤں کا سہارا تھے، غلاموں کے لیے عزت تھے، تاجروں کے لیے دیانت کی مثال تھے، حکمرانوں کے لیے عدل کا معیار تھے اور عام انسان کے لیے اخلاق کا بلند ترین نمونہ تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے صرف الفاظ نہیں سیکھے بلکہ زندگی جینا سیکھی۔
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سچائی کو زندگی بنا لیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عدل کو اپنی پہچان بنایا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سخاوت کو اپنا شعار بنایا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے علم، حلم اور شجاعت کو کردار کا حصہ بنایا۔ یہی وجہ تھی کہ دنیا ان کے قدموں میں آئی، مگر دنیا ان کے دلوں میں کبھی داخل نہ ہو سکی۔

پھر تابعین، تبع تابعین اور ائمہ و اولیائے کرام کا دور آیا۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ کی آنکھوں میں آخرت کا خوف جھلکتا تھا، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی زبان سے نکلنے والے الفاظ سے پہلے ان کا کردار بولتا تھا، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کو سنتِ نبوی ﷺ کے تابع رکھا، حضرت خواجہ غریب نواز رحمہ اللہ نے محبت، خدمت اور حسنِ اخلاق سے لاکھوں دلوں کو فتح کیا، حضرت سید سالار مسعود غازی رحمہ اللہ نے دین کے لیے اپنی جان تک قربان کر دی، حضرت مخدوم اشرف سمنانی رحمہ اللہ اور دیگر اولیائے کرام نے اپنے کردار سے اسلام کو زندہ رکھا۔ ان کی عظمت کا راز صرف ان کا علم نہیں تھا بلکہ وہ علم جو عمل میں ڈھل گیا تھا۔ وہ بولنے سے پہلے خود عمل کرتے تھے، اسی لیے ان کے الفاظ دلوں میں اتر جاتے تھے۔

مگر آج ہم کہاں کھڑے ہیں؟ آج ہمارے پاس علم پہلے سے زیادہ ہے، کتابیں پہلے سے زیادہ ہیں، مدارس پہلے سے زیادہ ہیں، جامعات پہلے سے زیادہ ہیں، مقرر پہلے سے زیادہ ہیں، خطیب پہلے سے زیادہ ہیں، مناظرے پہلے سے زیادہ ہیں، سوشل میڈیا پر دینی ویڈیوز پہلے سے زیادہ ہیں، مگر کیا ہمارے کردار بھی پہلے سے بہتر ہوئے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو ہمیں سوچنا ہوگا کہ خرابی کہاں پیدا ہوئی۔
آج ہم اسلام پر گھنٹوں گفتگو کرتے ہیں مگر نماز میں خشوع نہیں۔ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں مگر اس کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔ سیرتِ رسول ﷺ کے جلسے منعقد کرتے ہیں مگر گھروں میں اخلاقِ نبوی ﷺ نظر نہیں آتے۔ ہم داڑھی، لباس، ظاہری شناخت اور مذہبی نعروں پر بحث کرتے ہیں مگر جھوٹ، دھوکہ، رشوت، سود، ظلم، حسد، تکبر، غیبت، قطع رحمی اور بے ایمانی کو معمولی گناہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ہماری زبانیں جنت کا تذکرہ کرتی ہیں مگر ہمارے اعمال دوسروں کی زندگی جہنم بنا دیتے ہیں۔
ہم نے دنیا کو اپنا مقصد بنا لیا ہے۔ بچپن سے بڑھاپے تک ہماری دوڑ صرف اچھی نوکری، بڑا کاروبار، عالی شان مکان، مہنگی گاڑی، شہرت، عہدہ اور دنیا کی آسائشوں کے لیے ہے۔ آخرت ہماری گفتگو میں تو ہے مگر ہماری ترجیحات میں نہیں۔ ہم اس مسافر کی طرح ہو گئے ہیں جو راستے کے سرائے کو اپنا مستقل گھر سمجھ بیٹھا ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو امتحان گاہ بنایا ہے، قیام گاہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو مسافر کی طرح گزارنے کی تعلیم دی، مگر ہم نے اسے ہمیشہ رہنے کی جگہ سمجھ لیا۔
ہم ہر روز جنازے دیکھتے ہیں، قبرستان جاتے ہیں، اپنے پیاروں کو مٹی میں دفن کرتے ہیں، مگر چند لمحوں بعد پھر اسی دنیا کی دوڑ میں ایسے گم ہو جاتے ہیں جیسے ہمیں کبھی مرنا ہی نہیں۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ ایک دن یہی جسم قبر کی مٹی میں ہوگا، یہی زبان خاموش ہوگی، یہی آنکھیں بند ہوں گی، یہی ہاتھ بے جان ہوں گے، اور پھر نہ دولت ساتھ جائے گی، نہ شہرت، نہ عہدہ، نہ سوشل میڈیا کے تعریفی الفاظ۔ ساتھ جائے گا تو صرف ایمان، اخلاص، نیک اعمال، حسنِ اخلاق اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی۔
امتِ مسلمہ کی پسماندگی کی سب سے بڑی وجہ یہ نہیں کہ ہمارے پاس وسائل کم ہیں، بلکہ یہ ہے کہ ہمارے پاس کردار کم ہو گیا ہے۔ ہم نے قرآن کو تلاوت تک محدود کر دیا، سنت کو تقریروں تک محدود کر دیا، دین کو رسموں تک محدود کر دیا اور عبادت کو ظاہری اعمال تک محدود کر دیا۔ حالانکہ اسلام زندگی کے ہر شعبے کا نام ہے؛ عبادت بھی اسلام ہے، تجارت بھی اسلام ہے، تعلیم بھی اسلام ہے، سیاست بھی اسلام ہے، معیشت بھی اسلام ہے، خاندان بھی اسلام ہے، پڑوسی کا حق بھی اسلام ہے، صفائی بھی اسلام ہے، امانت بھی اسلام ہے اور انسانیت کی خدمت بھی اسلام ہے۔
آج ضرورت اس بات کی نہیں کہ ہم مزید تقریریں کریں، مزید مناظرے کریں یا ایک دوسرے کو غلط ثابت کرنے میں اپنی توانائیاں صرف کریں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے آپ کو بدلیں۔ ہمارے بچے ہمیں دیکھ کر اسلام سیکھیں، ہمارے پڑوسی ہمارے اخلاق سے اسلام کو پہچانیں، ہمارے کاروبار ہماری دیانت کی گواہی دیں، ہمارے گھروں میں رحمت، محبت اور عدل نظر آئے، اور ہماری تنہائیوں میں بھی اللہ کا خوف زندہ رہے۔
اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا ہمیں دوبارہ عزت کی نگاہ سے دیکھے تو ہمیں رسول اللہ ﷺ کے اسوہ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کردار، تابعین و تبع تابعین کے تقویٰ اور اولیائے کرام کے اخلاص کی طرف لوٹنا ہوگا۔ تاریخ نے ہمیشہ انہی لوگوں کو زندہ رکھا جنہوں نے اسلام پر تقریریں کم اور اسلام کو جیا زیادہ۔ ان کی قبریں آج بھی لوگوں کے دلوں کو زندہ کرتی ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی اللہ کے لیے گزاری، دنیا کے لیے نہیں۔
آیئے! ہم اپنے آپ سے ایک سوال کریں: اگر آج ہمارا نامۂ اعمال بند ہو جائے تو کیا ہمارے الفاظ ہمارا ساتھ دیں گے یا ہمارے اعمال؟ اگر آج ہمیں اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا کر دیا جائے تو کیا ہم یہ کہہ سکیں گے کہ ہم نے صرف اسلام کی باتیں نہیں کیں بلکہ اسلام کو اپنی زندگی بنا لیا تھا؟
یاد رکھیے! امتوں کی عظمت کتابوں سے نہیں، کردار سے لوٹتی ہے؛ تقریروں سے نہیں، عمل سے پیدا ہوتی ہے؛ اور اسلام زبان سے نہیں، زندگی سے پہچانا جاتا ہے۔ ہم نے اسلام بولنا سیکھ لیا ہے، اب وقت آگیا ہے کہ اسلام جینا بھی سیکھ لیں، کیونکہ جو اسلام کو جیتا ہے وہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے، اور جو صرف اسلام بولتا ہے وہ اپنی آواز کے ساتھ ہی خاموش ہو جاتا ہے۔
ذرا سوچو! جب تمہارا جنازہ اٹھے گا تو لوگ تمہاری ڈگریاں نہیں گنوائیں گے، تمہارا بینک بیلنس نہیں پڑھیں گے، تمہاری شہرت کا تذکرہ نہیں کریں گے؛ صرف ایک سوال ہوگا: یہ شخص کیسا تھا؟ اگر اس کا کردار اسلام تھا تو وہ مر کر بھی زندہ رہے گا، اور اگر اسلام صرف اس کی زبان پر تھا تو اس کی آواز قبر کی مٹی میں دفن ہو جائے گی۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

خانقاہِ قادریہ محمدیہ امجھر شریف کی جشنِ سجادگی کی روداد

ٹی ایم ضیاء الحق

ریاستِ بہار کے ضلع اورنگ آباد میں ایک قدیم قصبہ امجھر شریف واقع ہے، جہاں ایک معروف صوفی بزرگ حضرت سیدنا محمد قادری بغدادیؒ نے قیام فرمایا۔ روایات کے مطابق آپ تقریباً چھ سو سال قبل بغداد سے اس خطے میں تشریف لائے۔ آپ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی بارہویں پشت سے تعلق رکھنے والے بزرگ اور بہار میں سلسلۂ قادریہ کے اولین صوفی بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔

روایات کے مطابق حضرت سیدنا محمد قادری بغدادیؒ کو اس خطے میں امن، عدل، محبت اور دینی شعور کو فروغ دینے کی بشارت ہوئی۔ آپ بغداد سے یہاں تشریف لائے اور اپنی روحانی، اصلاحی اور انسانی خدمات کا آغاز کیا۔ اسی مقام پر آپ نے ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی، جو بعد میں خانقاہِ قادریہ محمدیہ، امجھر شریف کے نام سے معروف ہوئی۔ صدیوں سے یہ خانقاہ روحانی تربیت، اصلاحِ باطن، دینی تعلیم اور خدمتِ خلق کا مرکز رہی ہے۔

۱۵ اگست ۲۰۲۶ء کو اسی تاریخی خانقاہ میں پندرہویں سجادہ نشین کی دستار بندی کی تقریب منعقد ہوئی۔ اس موقع پر خانقاہِ چشتیہ منعمیہ ابوالعلائیہ، گیا سے سید احمد فضیل اور سید عطا فیصل منعمی کی شرکت پہلے سے طے تھی۔ صبح تقریباً آٹھ بجے ہم تینوں کے علاوہ احمد فضیل کے صاحبزادے نور مطیع اللہ بھی ہمارے ساتھ تھے اور ہم جشنِ سجادگی میں شرکت کے لیے گیا سے ہم لوگ روانہ ہوئے۔

ہم لوگ ہسپورہ پہنچے ہی تھے کہ ہمارے دوست سید محمد متین الدین پر سید عطا فیصل کی نظر پڑ گئی۔ انہوں نے کہا، ”دیکھیے، آپ کے دوست!“ گاڑی روکی گئی اور زبردستی متین کو بھی گاڑی میں اپنے ساتھ بٹھالیا۔ ویسے ان کو گیا جانا تھا پر متین بھی ہمارے سفر میں شامل ہوگئے۔

امجھر شریف پہنچنے کے بعد جن حضرات سے ہماری ملاقات ہوئی۔ اس میں عظمت ایوب قادری، سید منظر علی اور سید شاہ ابوالحاسن قادری گیلانی، سید ہدایت قادری بھی موجود تھے۔ سب نے نہایت محبت اور خلوص کے ساتھ ایک دوسرے سے ملاقات کی اور کچھ دیر باہمی گفتگو بھی ہوئی۔ اس مختصر ملاقات نے سفر کی خوشی کو مزید بڑھا دیا اور جشنِ سجادگی کے روحانی ماحول میں اپنائیت کا ایک خوب صورت احساس پیدا ہوا۔

اسی تاریخی اور روحانی سلسلے میں خانقاہِ قادریہ محمدیہ، امجھر شریف میں عرسِ سیدنا کے موقع پر مختلف روحانی و بابرکت تقریبات منعقد ہوئیں۔ بعد نمازِ فجر قرآن خوانی ہوئی، جبکہ صبح ۱۰ بجے توشۂ شریف کی فاتحہ ادا کی گئی۔

اس کے بعد صبح ۱۱ بجے حضرت الحاج سید شاہ عبد الرزاق محمد حسین قادری صاحب کی دستارِ سجادگی کی پُرنور تقریب منعقد ہوئی، جس میں آپ کو خانقاہِ قادریہ محمدیہ، امجھر شریف کا پندرہواں سجادہ نشین مقرر کیا گیا۔

مسندِ سجادگی پر فائز ہونے سے قبل کئی علما و مشائخِ کرام نے خطاب فرمایا۔ ان میں سید شاہ صباح الدین منعمی کی تقریر بھی شامل تھی۔ اس کے بعد حضرت ڈاکٹر سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی، سجادہ نشین خانقاہِ منعمیہ متن گھاٹ، پٹنہ نے اپنے پُرمغز اور بصیرت افروز خطاب سے حاضرین کو مستفید فرمایا۔

آخر میں حضرت سید شاہ عابد قادری نے نہایت جامع اور پُرمغز دعا فرمائی، جس کے بعد دستار بندی کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ لمحہ نہایت روحانی اور جذباتی تھا، جب خانقاہ کی صدیوں پرانی سجادگی کی روایت ایک نئی نسل کے سپرد کی جا رہی تھی۔

اس روحانی اور تاریخی موقع پر بہار و اطراف کی مختلف خانقاہوں کے سجادہ نشینان، مشائخِ کرام اور معزز شخصیات نے شرکت کی اور حضرت بابو حضور سید عبد الرزاق قادری صاحب کو دستارِ سجادگی سے نوازتے ہوئے اپنی دعاؤں اور نیک تمناؤں سے سرفراز فرمایا۔

تقریب میں حضرت الحاج سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی، سجادہ نشین خانقاہِ منعمیہ متن گھاٹ، پٹنہ؛ حضرت الحاج سید شاہ صباح الدین احمد چشتی، سجادہ نشین خانقاہِ چشتیہ منعمیہ رام ساگر، گیا؛ سید شاہ ارباب اشرف، خانقاہِ درویشیہ اشرفیہ بیتھو شریف گیا حضرت سید نور الدین اصدق، ناظمِ اعلیٰ خانقاہِ بشیریہ پیر بگھا؛ سید شاہ مجیب الحق عمادی، خانقاہِ عمادیہ پٹنہ؛ سید غلام فیاض حسین فیاضی، سجادہ نشین خانقاہِ فیضیہ پٹنہ؛ سید مناظر حسن قادری، خانقاہِ قادریہ حمادیہ داؤد نگر؛ سید ولی اللہ ضیاء قادری، خانقاہِ قادریہ داؤد نگر، سید شاہ منظر علی قادری سلیمانیہ قادریہ، بمنڈیہا داؤد نگر؛ سید احرار عالم شہبازی، خانقاہِ شہبازیہ بھاگلپور؛ سید شاہ سلمان چشتی، خانقاہِ چشتیہ شیخپورہ؛ سید ابوذر حسنات، خانقاہِ قادریہ ابدالیہ سہسرام؛ سید شاہ امان اللہ قادری، خانقاہِ قادریہ گیا؛ شاہ معروف احمد عثمانی، خانقاہِ برہانیہ کمالیہ دیورہ شریف؛ سید ارشد شمسی، خانقاہِ شمسیہ ارول؛ سید ہدایت علی قادری رزاقی، خانقاہِ بانسہ شریف؛ سید شاہ افضال فیاضی، خانقاہِ ابوالفیاضیہ پٹنہ؛ سید شاہ ارشد افضلی، خانقاہِ افضلیہ نوادہ؛ سید شاہ ارشاد، خانقاہِ اصدقیہ پیر بگھا؛ سید شاہ فاضل شرف، خانقاہِ خلوت مخدوم جہاں بہار شریف؛ خانقاہِ شاکریہ پنڈ شریف کے نمائندہ؛ سید سعید الدین غازی، خانقاہِ قلندریہ بہار شریف؛ سید نسیم فضل قادری، سید حامد رضا قادری اور سید زکی قادری، امجھر شریف؛ سید شاہ عتیق الرحمن قادری، سید العلوم دیشر گڑھ؛ اور عبد الرقیب قادری، نمائندہ خانقاہِ طاہریہ پتاشپور، بنگال نے شرکت کی۔

ان مختلف خانقاہوں اور روحانی مراکز سے وابستہ مشائخ کی شرکت نے اس تقریب کو مزید معنویت عطا کی۔ یہ اجتماع محض ایک دستار بندی کی تقریب نہیں تھا بلکہ مختلف خانقاہوں اور سلاسل کے درمیان محبت، اخوت، روحانی تعلق اور باہمی احترام کی ایک خوب صورت مثال بھی تھا۔

امجھر شریف کی اس بابرکت سرزمین پر پندرہویں سجادہ نشین کی دستار بندی نے خانقاہ کی صدیوں پرانی روحانی روایت کو ایک نئی نسل تک منتقل کرنے کے عزم کو بھی نمایاں کیا۔ یہ ایک ایسی روایت کا تسلسل ہے جس کی بنیاد حضرت سیدنا محمد قادری بغدادیؒ نے رکھی اور جسے بعد کے سجادگان نے اپنی دینی، روحانی اور سماجی خدمات کے ذریعے آگے بڑھایا۔

یہ موقع اس بات کی یاد دہانی بھی تھا کہ خانقاہی نظام کی اصل روح عبدیت، تواضع، اصلاحِ باطن، محبتِ انسانیت اور خدمتِ خلق میں ہے۔ حضرت سیدنا محمد قادری بغدادیؒ سے لے کر خانقاہ کے تمام سجادگان نے اسی روحانی امانت کو اپنی اپنی استطاعت کے مطابق آگے بڑھایا ہے۔

خانقاہِ قادریہ محمدیہ، امجھر شریف کی یہ روایت آج بھی اسی پیغام کے ساتھ زندہ ہے کہ روحانیت صرف خانقاہ کی چار دیواری تک محدود نہیں، بلکہ انسان کے کردار، معاشرے کی اصلاح، محبت کے فروغ اور خدمتِ خلق سے اس کا حقیقی اظہار ہوتا ہے۔

قرآنِ پاک کی عظمت اور علوینہ سیف کی مساعی

پریس ریلیز
نیپال اردو ٹائمز بستی بھارت

قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی وہ مقدس اور بابرکت کتاب ہے جو پوری انسانیت کے لیے ہدایت، رحمت اور کامیابی کا سرچشمہ ہے۔ کسی مسلمان بچے کا کم عمری میں قرآنِ کریم پڑھنے کا آغاز کرنا نہ صرف اس بچے بلکہ اس کے والدین اور پورے خاندان کے لیے باعثِ سعادت اور قابلِ تحسین امر ہے۔

اسی مبارک سلسلے میں علوینہ سیف کی کم سنی میں قرآنِ کریم سے وابستگی ایک قابلِ ذکر مثال ہے۔

کم عمری میں قرآن سے تعلق

علوینہ سیف نے محض پانچ سال کی کمسن عمر میں قرآنِ کریم پڑھنے کا آغاز کیا۔ اس عمر میں بچے عموماً کھیل کود اور دیگر سرگرمیوں میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں، جبکہ مسلسل توجہ کے ساتھ پڑھائی کرنا ان کے لیے ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ ایسے ماحول میں قرآنِ پاک کی تعلیم کا آغاز کرنا اور اس کے لیے شوق و دلچسپی پیدا کرنا یقیناً والدین کی دینی تربیت، استاد کی خصوصی توجہ اور خود بچے کی محنت و لگن کا نتیجہ ہے۔

قرآنِ کریم سے ابتدائی عمر میں وابستگی بچے کی شخصیت پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ یہ نہ صرف اس کی زبان اور مطالعے کی صلاحیت کو بہتر بناتی ہے بلکہ اس کے اندر نظم و ضبط، اخلاق، احترام اور دینی شعور بھی پیدا کرتی ہے۔

استاد کی محنت اور تربیتی کردار

علوینہ سیف کی اس کامیابی میں ان کے استاد حضرت مولانا سمیع اللہ صاحب کی محنت، شفقت اور بہترین تدریسی انداز کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ کم عمر بچوں کو قرآنِ کریم پڑھانا محض حروف اور الفاظ کی تعلیم دینے کا نام نہیں، بلکہ اس کے لیے صبر، حکمت، محبت اور بچے کی نفسیات کو سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

مولانا سمیع اللہ صاحب نے محنت اور شفقت کے ساتھ علوینہ کی رہنمائی کی اور قرآنِ کریم کی تعلیم کے اس مبارک سفر میں ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ ایک اچھا استاد بچے کے اندر موجود صلاحیت کو پہچان کر اسے صحیح سمت فراہم کرتا ہے، اور یہی تربیت آگے چل کر بڑی کامیابیوں کی بنیاد بنتی ہے۔

والدین کا اہم کردار

بچے کی دینی تعلیم میں والدین کا کردار بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ والدین اگر اپنے بچوں کو قرآنِ کریم سے جوڑنے کے لیے گھر میں سازگار ماحول پیدا کریں، ان کی حوصلہ افزائی کریں اور تعلیمِ قرآن کو اپنی ترجیحات میں شامل رکھیں تو بچے کے لیے یہ سفر مزید آسان ہو جاتا ہے۔ علوینہ سیف کی کامیابی بھی اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ گھر، استاد اور بچے کی مشترکہ کوشش سے کم عمری میں دینی تعلیم کی مضبوط بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ والدین کی دعائیں، استاد کی محنت اور بچے کی اپنی دلچسپی جب ایک جگہ جمع ہو جائیں تو نتائج یقیناً خوش آئند ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا سمیع اللہ صاحب کی محنتوں کو شرفِ قبولیت بخشے اور انہیں مزید بچوں کی دینی تربیت کی توفیق عطا فرمائے۔ والدین کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے

دارالعلوم اہلسنت الجامعۃ السبحانیہ تنہواں وگلریا- عروج سے زوال تک اور زوال سے عروج تک کی ایک داستان

از (قاری) اخلاق احمد نظامی
مقام و پوسٹ گلرہا مہنداول ضلع سنت کبیر نگر

ہر ادارے کا ایک جسم ہوتا ہے اور ایک روح۔ جسم اینٹ اور گارے سے بنتا ہے، مگر روح اخلاص، للّٰہیت اور بزرگوں کی دعاؤں سے بنتی ہے۔ دارالعلوم الجامعۃ السبحانیہ تنہواں گلریا بھی محض ایک عمارت کا نام نہیں، بلکہ ایک مقدس روح اور ایک بلند نصب العین کا نام ہے۔

اس ادارے کی اصل بنیاد اس خاک میں نہیں، بلکہ خانقاہِ عالیہ بلہری شریف کے بزرگانِ طریقت کی نگاہِ کرم اور فیضانِ روحانیت میں پوشیدہ ہے۔ اسی فیض نے اس پسماندہ و دیہاتی خطے میں علم و عرفان کا ایک چراغ جلانے کی تحریک پیدا کی۔ اس تحریک کو عملی جامہ پہنانے والے مردِ درویش حضرت صوفی عظیم اللہ علیہ الرحمہ تھے۔ آپ نے اس ویرانے میں دینِ متین کی شمع اس خالص نیت سے روشن کی کہ یہاں قال اللہ و قال الرسول ﷺ کی صدائیں گونجیں، مسلکِ حقہ اہل سنت و جماعت (اعلیٰ حضرت) کا پرچم سربلند رہے اور یہاں سے ایسے حافظ، قاری اور عالم نکلیں جو دین کے سچے خادم ہوں۔ آپ کی لگائی ہوئی وہ ننھی سی پود، آپ کے اخلاص کی بدولت جلد ہی ایک تناور اور سایہ دار درخت بن گئی۔

اس گلشن کی تاریخ میں ایک بابِ نور وہ بھی ہے جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ وہ باب شہیدِ مسلکِ اہل سنت، شعلہ بیاں خطیب، حضرت علامہ مولانا محمد جعفر القادری شہید علیہ الرحمہ کا ہے آپ غالباً سنہ ۱۹۸۲ء میں اس ادارے کے پرنسپل کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ کی علمی جلالت، خطابت کی گرج اور انتظامی بصیرت نے اس سوئے ہوئے ادارے میں ایک نئی روح پھونک دی۔ آپ نے اسے محض ایک مدرسہ نہیں، بلکہ تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ اور فروغِ مسلکِ اعلیٰ حضرت کا ایک مضبوط قلعہ بنا دیا۔ آپ کا فیض آج بھی اس کی دیواروں میں محسوس ہوتا ہے۔ اللہ کریم آپ کے مزار پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔

اگر اس ادارے کی تاریخ میں کوئی دور سنہری حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے تو وہ ۱۹۸۴ سے ۱۹۹۴ تک کا وہ عشرہ ہے۔ یہ اس ادارے کا عروجِ کامل تھا۔ مدرسے کی رونقیں دیدنی ہوتیں۔ صحنِ مدرسہ طلبہ کے شور سے آباد، بیرونی طلبہ کی تعداد پانچ درجن سے زائد، اساتذہ کی انتھک محنت اور عوام کا والہانہ اعتماد، سب اپنے نقطۂ عروج پر تھے۔

اس سنہری دور کے روحِ رواں صدر المدرسین حضرت مولانا محمد معظم علی قادری صاحب علیہ الرحمہ، مولانا رضا علی خان اور صدرِ اعلیٰ جناب عبد الصمد انصاری صاحب تھے، جن کی قیادت میں ادارہ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہوا۔ شعبۂ حفظ و ناظرہ، جو کسی بھی دینی ادارے کی بنیاد ہوتا ہے، وہ حافظ و قاری سرور عالم برکاتی صاحب کے سپرد تھا، جن کی خوش الحانی اور محنتِ شاقہ سے معصوم بچے سینوں میں قرآن کے نور کو محفوظ کرتے تھے۔

شعبۂ تحتانیہ (پرائمری) میں جن نفوسِ قدسیہ نے اپنی زندگیاں کھپادیں، ان میں ماسٹر غلام رسول انصاری صاحب، ماسٹر غلام رسول قریشی صاحب، ماسٹر الطاف حسین انصاری صاحب اور مولانا عبد الرسول سبحانی صاحب جیسی دیگر مقدس ہستیاں شامل تھیں۔ یہ وہ معمار تھے جو تنخواہ کے لیے نہیں، رضائے الٰہی کے لیے پڑھاتے تھے۔ ان کی ڈانٹ میں بھی شفقت کا سمندر اور ان کی محنت میں اخلاص کا نور پنہاں ہوتا تھا۔

مجھے اس اعتراف میں کوئی عار نہیں کہ آج اگر میرے ہاتھ میں قلم ہے اور میں دو حرف لکھنے کے قابل ہوں تو یہ صرف اور صرف میرے محسن و مربی، استادِ محترم ماسٹر غلام رسول انصاری صاحب کی شبانہ روز محنت اور بے لوث شفقت کا ثمرہ ہے۔ انہوں نے ہمیں صرف کتابیں نہیں پڑھائیں، بلکہ لکھنا سکھایا، سوچنا سکھایا اور جینا سکھایا۔ بعد کے دور میں حضرت مولانا حشمت اللہ صاحب قبلہ تدریسی نے بھی اپنی تدریسی و انتظامی صلاحیتوں سے اس چراغ کو بجھنے نہیں دیا۔

اس روحانی دور کی ایک اور یادگار شخصیت جناب ڈاکٹر محمد شفیق انصاری صاحب کی تھی، جو ممتحن کی حیثیت سے تشریف لاتے تھے۔ آپ کی آمد پر پورے ادارے پر ایک رعب دار خاموشی چھا جاتی۔ جب آپ اپنی بلند و گونج دار آواز میں ایک ایک طالب علم کو نام بنام پکارتے تو معصوم چہروں پر گھبراہٹ اور اساتذہ کے دلوں میں بھی ایک لرزہ طاری ہو جاتا۔

مگر اس رعب کے پردے کے پیچھے ایک نہایت نرم دل اور شفیق استاد پنہاں تھا۔ جوں ہی طالب علم قریب آتا، آپ کا لہجہ یکسر بدل جاتا۔ نہایت نرمی و محبت سے سوال کرتے، اگر بچہ جواب میں اٹکتا تو اشاروں کنایوں میں سمجھاتے، اس کی ہمت بندھاتے۔ آپ کا امتحان دراصل جانچنا نہیں، سکھانا ہوتا تھا۔ وہی شفقت آج بھی ہمارے دلوں میں آپ کی محبت کا چراغ روشن کیے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔

اس ادارے کی بنیادوں میں جن مخلصین کا خون پسینہ شامل ہے، انہیں کیسے فراموش کیا جاسکتا ہے؟ خصوصاً گلرہا کے جناب عبد الصمد انصاری، عبد اللطیف انصاری مرحوم، محمد یسین انصاری مرحوم، اور تنہواں کے بابا محمد بشیر انصاری مرحوم، محمد یسین انصاری (دوسرے)، ریاست علی انصاری مرحوم، محمد عمر انصاری مرحوم پروا، ماسٹر سرور علی انصاری، بابا شاہ عالم انصاری مرحوم اور املی ڈیہا کے ماسٹر یاد علی مرحوم۔ یہ سب عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس میں شانہ بشانہ ہوتے تھے۔

جب بابا محمد بشیر انصاری مرحوم اپنی مخصوص سوز و ترنم میں یہ نعت پڑھتے کہ *"میرے نبی آگئے"* تو پورے مجمع پر وجد طاری ہو جاتا، دلوں میں عشقِ رسول ﷺ کی لہر دوڑ جاتی اور ہر زبان پر درود و سلام جاری ہو جاتا۔

ان بزرگوں کا مقصد صرف جلوس میں شمولیت نہ تھا، بلکہ دارالعلوم کی امداد کے لیے لوگوں کو ابھارنا بھی تھا۔ مجھے وہ منظر آج بھی یاد ہے، جب چندے کے لیے بولی لگائی جاتی۔ وہ زمانہ جب پچیس پیسے میں چائے ملا کرتی تھی، اسی دور میں جذبۂ دین سے سرشار ہو کر ایک انڈے کی بولی پانچ سو روپے تک لگائی جاتی اور لوگ اللہ کی رضا کے لیے اسے تین سو، چار سو اور پانچ سو میں خرید لیتے۔ اسی طرح جب جلوس کسی دروازے پر پہنچتا تو لوگ جھولیاں بھر بھر کر استقبال کرتے۔ ایک تھان نہیں، دو تھان نہیں، چار تھان، بلکہ دس دس تھان کپڑے مدرسے کی نذر کر دیتے، اور ارا کینِ کمیٹی ان گٹھریوں کو خوشی خوشی اپنے کندھوں پر لاد لیتے۔ نہ لادنے میں شرم تھی، نہ دینے میں تامل۔ بس ایک ہی دھن تھی کہ میرا دارالعلوم عروج پر پہنچے۔ مگر آج دل خون کے آنسو روتا ہے۔

وہی عمارتیں ہیں، وہی میدان ہیں، لیکن ان میں وہ روح، وہ رونق اور وہ چہل پہل باقی نہیں۔ وہ مقصد جس کے لیے صوفی صاحب نے اور خانقاہِ بلہری شریف کے بزرگوں نے دعائیں دی تھیں، وہ کہیں ماند پڑتا نظر آتا ہے۔

ایسے میں مایوسی کے اندھیروں میں امید کی ایک کرن نمودار ہوئی ہے، جس نے دل کو بے حد سکون بخشا ہے۔ مجھے یہ جان کر دلی مسرت ہوئی کہ علاقہ کے نوجوان، غیور اور باصلاحیت علماء، حفاظ اور قراء نے اس ادارے کو دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا کرنے کا عزمِ مصمم کیا ہے۔ یہ وہ خوش نصیب طبقہ ہے جو جامعہ ازہر مصر کے ازہری، جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے مصباحی، دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی کے علیمی، دارالعلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا کے تنویری اور ملک کے دیگر معتبر دینی اداروں سے فراغت یافتہ ہے۔

یہ وہی نسل ہے جس نے اسی مٹی میں آنکھ کھولی، اسی ادارے سے نسبت حاصل کی اور آج اسی قرض کو چکانے کے لیے میدانِ عمل میں اتری ہے۔ میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے علاقہ کے ان تمام ازہری، مصباحی، علیمی، تنویری، حفاظ و قراء کی اس عظیم اور مقدس مہم کو سلام پیش کرتا ہوں اور اسے خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔ یقیناً یہی وہ راستہ ہے جو اس ادارے کو دوبارہ اسی عروج کی طرف لے جائے گا، جس کا وہ کبھی امین تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ان تمام بزرگوں کی، جنہوں نے اس ادارے کی بنیادوں میں اپنا خون پسینہ بہایا اور آج دارِ فانی سے کوچ کر گئے ہیں، جن میں عبد اللطیف انصاری مرحوم، محمد یسین انصاری مرحوم، بابا محمد بشیر انصاری مرحوم، ریاست علی انصاری مرحوم اور ماسٹر یاد علی مرحوم، بابا شاہ عالم مرحوم اور محمد عمر انصاری مرحوم شامل ہیں، کامل مغفرت فرمائے، ان کی قبروں کو نور سے بھر دے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

اور جو حضرات بحمد اللہ بقیدِ حیات ہیں، جن میں جناب عبد الصمد انصاری اور ماسٹر سرور علی انصاری شامل ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمر، صحت، جان و مال اور اولاد میں بے پناہ برکت عطا فرمائے اور اس ادارے کو تا قیامت شاد و آباد رکھے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ

نوٹ: مضمون نگار وکالم نگار کی رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں حسب ضرورت ایڈیٹر کو ترمیم کا حق ہوگا، جن احباب کے مضامین یا رپورٹ اس شمارے میں شامل نہیں ہوئے ہیں ان شاءاللہ سندہ شمارے میں شامل کر لیے جائیں گے

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

امام بخاری علیہ الرحمہ وہ عظیم ہستی جس پر امت کو ناز ہے

محمد عادل ارریاوی* خصوصی کالم نگار نیپال اردو ٹائمز

اللہ ربّ العزت نے قرآن کریم نازل فرمایا تو اس پر عمل کرنے کے لیے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اسوہ ونمونہ بنایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زبانی ارشادات جس کو ہم اقوال رسول کہتے ہیں اپنے عمل مبارک جس کو ہم افعال رسول کہتے ہیں اور اپنی تصدیق مبارک جس کو ہم تقریر رسول کہتے ہیں۔ حیات کے ذریعے امت کی رہنمائی فرمائی اور حقیقی بات یہ ہے کہ صفحات قرآن لمحات حب تھے صحابہ کرام کی مقدس جماعت نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال افعال اعمال اور تقریر کو نہ صرف اپنی عملی زندگی میں اتارا بلکہ اپنے ذہن میں یاد رکھا سینوں میں محفوظ رکھا اور عالم کے دور دراز علاقوں میں جا کر بعد میں آنے والی امت کو یہ عظیم دینی و علمی امانت کو پہنچائی اور بلغوا عني ولو آیة کے صحیح مصداق ثابت ہوئے۔

اللہ ربّ العزت کی قدرت دیکھیے قرآن کا نزول مکہ المکرمہ مدینہ المنورہ اور اس کے اطراف میں ہو رہا ہے احادیث رسول مکہ مدینہ اور اطراف میں وجود میں آرہی ہے اور صحابہ نے اس کی اشاعت عالم کے دور دور گوشوں میں کر دی۔

حضرات صحابہ کرام کی صحبت کی برکت سے حضرات تابعین کرام کی ایک عظیم جماعت تیار ہوئی جنھوں نے قرآن و حدیث کے علوم کو اپنی عملی زندگی میں اتارا اور اپنے سینوں اور ذہن میں محفوظ رکھ کر بعد والی امت تک پہنچایا یہ مبارک سلسلہ امت میں نقل در نقل آج تک چلا آرہا ہے اور ان شاء اللہ العزیز قیامت تک چلتا رہے گا۔

اللہ ربّ العزت کے جن خوش نصیب بندوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث مبارکہ کو جمع کر کے امت تک پہنچانے کی سعادت حاصل کی ان میں ایک بہت بڑا نام حضرت امام ابوعبد اللہ محمد ابن اسماعیل البخاری کا ہے آپ عجمی النسل ہیں لیکن اللہ ربّ العزت اپنے جس بندے سے اپنے دین کا جو کام لینا چاہتے ہیں اس کو اس کام کی توفیق و تائید سے نوازتے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام بخاری سے اللہ ربّ العزت احادیث نبویہ کا عظیم کام لینا چاہتے تھے تو اس کے لیے امام بخاری کو ظاہری روحانی جسمانی ذہنی ہر طرح کی قوت اسباب تائید اور توفیق سے اللہ ربّ العزت نے ان کو مالا مال فرمایا اور امام بخاری نے اللہ ربّ العزت کی طرف سے دی ہوئی ان تمام نعمتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور احادیث کو جمع فرما کر اس کا ایک بہترین مجموعہ امت کے سامنے پیش فرمایا۔

حضرت امام بخاری نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کو جمع فرما کر آنے والی امت کے لیے ایک عجیب و غریب تحفہ پیش کر دیا آج دنیا امام بخاری کے علوم سے محظوظ ہو رہی ہے امام بخاری کی جمع کردہ احادیث و آثار سے مستفید ہو رہی ہے اور قیامت تک ان شاء اللہ مستفید ہوتی رہے گی۔

عظیم المرتبت شخصیات اور عظیم المقام انسانوں کے کارنامے جب لوگ پڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں تو حیران رہتے ہیں یہی حال امام بخاری کے اس عظیم کارنامے الجامع الصحیح یعنی بخاری شریف کا ہے کہ لوگ جب اس کو پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں لیکن ایک خاص بات کی طرف ہمیں توجہ دینی چاہیے کہ اللہ ربّ العزت نے ان سے جو عظیم الشان کام لیا یہ واقعی اللہ کا فضل و کرم تو ہے ہی لیکن ظاہری دنیا میں وہ کیا اسباب تھے جس کے پیش نظر اللہ نے ان سے یہ عظیم کام لیا صحیح بات یہ ہے کہ ایک کامیاب انسان کی زندگی کے پیچھے اس کے والد اور والدہ کی محنتوں کا بھی بہت بڑا دخل ہوتا ہے خود انسان کے تقوی اور ورع کا بھی بڑا کردار ہوتا ہے اللہ ربّ العزت کی نافرمانی اور گناہوں سے اپنے آپ کو بچانا تقویٰ کے اعلی معیار پر ہونا وغیرہ بھی مقبولیت کے پیچھے بڑا دخل ہوتا ہے اس کو ہم اللہ والوں کو مقبولیت کا راز کے عنوان سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

حضرت امام بخاری کا نام محمد کنیت ابوعبد اللہ لقب امیر المؤمنین فی الحدیث ہے

امام بخاری ۱۳ رشوال ۱۹۴ھ میں جمعہ کے دن بخارا میں پیدا ہوئے اور یکم شوال کی شب میں یعنی شب عید الفطر کے اندر ۲۵۶ھ میں ان کا انتقال ہوا ۶۲ سال کے اندر ۱۲ دن کم ان کی عمر ہوئی ہے ان کے حالات بہت ساری باتیں ہیں آپ کو سن کر بڑا تعجب ہوگا کہ وفات کے وقت وہ کتنی آزمائش میں تھے کہ ان آزمائشوں سے پریشان اور تنگ ہو کر ان کو یہ دعا کرنی پڑی کہ اے اللہ تیری زمین اب میرے لیے تنگ ہوگئی ہے مجھے اٹھا لے۔

احادیثِ نبویہ کی خدمت کوئی معمولی کام نہیں تھا بلکہ یہ وہ عظیم امانت تھی جس کے لیے اللہ ربّ العزت نے ایسے نفوسِ قدسیہ کا انتخاب فرمایا جن کی زندگیاں علم اخلاص اور مجاہدے سے بھری ہوئی تھی۔

حضرت امام بخاری بھی انہی برگزیدہ ہستیوں میں سے ہیں جنھوں نے اپنی پوری زندگی سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے وقف کر دی۔

آپ نے علمِ حدیث کے حصول کی خاطر ہزاروں میل کے طویل اسفار کیے بے شمار اساتذہ سے فیض حاصل کیا اور ہر روایت کو نہایت باریک بینی سے جانچا۔ روایت کرنے والے راوی کے حافظے دیانت تقویٰ اور ثقاہت تک کی تحقیق فرمائی تاکہ امت تک صرف صحیح اور مستند احادیث پہنچیں۔ یہی احتیاط اور خوفِ خدا صحیح بخاری کی وہ خصوصیت ہے جس نے اسے پوری امت میں بے مثال قبولیت عطا کی۔

امام بخاری نے ہر ہر حدیث کے لیے باقاعدہ غسل کیا دو رکعت نماز ادا کی اور استخارہ کیا جب حدیث شریف کے صحیح ہونے کا کامل اطمینان حاصل ہو گیا تو اس کو اپنی کتاب میں درج کیا کعبہ شریف کے جوار میں جمع کرنے کا اہتمام کیا تمام تراجم ابواب کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارکہ اور منبر کے درمیان بیٹھ کر لکھا جس کو ہم ریاض الجنہ کہتے ہیں۔

ظاہری اور فنی اعتبار سے حدیث شریف کی جانچ تحقیق سند اور راویوں کی جانچ و تحقیق کے تمام کام کرنے کے بعد باطنی طور پر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا استخارہ کرنا غسل کا اہتمام کرنا حرمین کی مبارک جگہ پر یہ کام کرنا یہ وہ سب برکتیں ہیں جو امام عالی مقام کی کتاب میں شامل ہوئیں۔

ساتھ ہی اس کتاب کی مقبولیت میں ان کے اخلاص زہد و تقویٰ کا بھی اہم کردار ہے جس کی برکت سے اللہ ربّ العزت نے آج اس کتاب کو ایسی مثالی مقبولیت عطا فرمائی۔

اللہ ربّ العزت ہمیں قرآن و سنت پر عمل کرنے اور اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

ائمہ کرام میں مستقل مزاجی کا فقدان: اسباب اور حل

محمد رمضان امجدی نگراں تنظیم المکاتب والمساجد ضلع مہراج گنج

دینِ اسلام میں استقامت اور تسلسل کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کامیابی کا دارومدار صرف کسی کام کے آغاز پر نہیں، بلکہ اس کو آخری دم تک پابندی اور ثابت قدمی کے ساتھ نبھانے پر ہوتا ہے۔ مستقل مزاجی کے بغیر نہ تو عبادت میں روح اور لذت پیدا ہوتی ہے، نہ درس و تدریس میں اثر باقی رہتا ہے، اور نہ ہی منلب امامت میں عوام کا اعتماد قائم ہو پاتا ہے۔

ائمہ کرام چوں کہ معاشرے کے دینی و فکری رہنما ہوتے ہیں، اس لیے ان کی عملی زندگی میں یکسانیت اور پائیداری کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ امام صرف محراب و منبر کا وارث نہیں ہوتا، بلکہ وہ بیک وقت خطیب، معلم اور اپنے علاقے کا مصلح بھی ہوتا ہے۔ ایسے میں جب کسی مسجد یا مکتب میں ائمہ اور مدرسین کی بار بار تبدیلی کا سلسلہ شروع ہو جائے، تو اس کے انتہائی منفی اثرات پورے ماحول پر مرتب ہوتے ہیں۔ نتیجتاً مساجد نمازیوں سے اور مکاتب بچوں سے خالی ہونے لگتے ہیں۔

مستقل مزاجی میں رکاوٹ کے عوامل

* معاشی عدم استحکام: *

اماموں کا سب سے بڑا مسئلہ معاشی بے یقینی ہے۔ موجودہ مہنگائی کے دور میں ائمہ کرام کو جو مشاہرہ دیا جاتا ہے، اس میں گھر کا خرچ چلانا انتہائی دشوار ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً، بہتر مشاہرہ اور بنیادی ضرورتوں کی تدبیر ائمہ کو بار بار مساجد بدلنے پر مجبور کرتی ہے۔

* انتظامیہ کا نامناسب رویہ: *

بہت سی مساجد کی کمیٹیاں ائمہ کرام کو قائد سمجھنے کے بجائے انہیں ایک معمولی ملازم یا خادم سمجھتی ہیں۔ ان کی عزتِ نفس کا پاس نہیں رکھا جاتا اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر سرزنش کی جاتی ہے۔

* مقتدیوں کی بے جا تنقید: *

ہر نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف سے کبھی قرات کبھی لہجے، کبھی لباس، تو کبھی خطبے کے موضوعات پر بلاوجہ کی نکتہ چینی اور جرح ائمہ کو اندر سے توڑ دیتی ہے اور وہ مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

* سماجی و معاشی تحفظ کا فقدان: *

اکثر مساجد میں ملازمت کا کوئی تحریری معاہدہ (Contract) نہیں ہوتا۔ جس میں میڈیکل الاؤنس، سالانہ مراعات چھٹی جیسی بنیادی سہولیات کا اندراج ہو۔

* تربیت اور جدید علوم کی کمی: *

بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ معاشرتی نفسیات، فکری فتنے اور جدید مسائل روز بروز پیچیدہ ہو رہے ہیں۔ ائمہ کی فکری و معاصرانہ تربیت کا مناسب انتظام نہ ہونے کی وجہ سے وہ بسا اوقات خود کو دورِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں کر پاتے، جس سے ان میں اجنبیت اور قنوطیت پیدا ہوتی ہے۔ اس سنگین مسئلے پر قابو پانے کے لیے مسجد کمیٹی، مقتدیوں اور خود ائمہ کرام کو مل کر مشترکہ جدوجہد کرنا ہوگی: جیسے:

* معقول اور باوقار مشاہرہ: *

ائمہ کرام کی تنخواہیں موجودہ مہنگائی کے تناسب سے اتنی ہونی چاہئیں کہ وہ معاشی فکر و پریشانی سے آزاد ہو کر یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ دینی خدمات انجام دے سکیں۔

ملازمت کی ضمانت Jo Security

امامت کا باقاعدہ تحریری معاہدہ کیا جائے، جس میں ملازمت کی مدت، حقوق و فرائض اور طریقہ کار بالکل واضح ہو۔

* عزت و احترام کا ماحول: *

کمیٹی کو چاہیے کہ وہ امام کو مسجد اور قوم کا روحانی و فکری سربراہ تسلیم کرے، نہ کہ ماتحت ملازم۔ کسی بھی انتظامی و اصلاحی فیصلے میں ان کی رائے کو ترجیح دی جائے۔ یوں ہی ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے مقتدیوں اور عوام پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جیسے:

* حوصلہ افزائی کا رویہ: *

اگر خطبے، قرات یا دعوت و تبلیغ میں کوئی کمی محسوس ہو تو سب کے سامنے ٹوکنے کے بجائے تنہائی میں نہایت ادب اور محبت کے ساتھ گزارش کی جائے۔

* رہائش اور طبی سہولیات: *

مساجد کے پاس ائمہ کے لیے باوقار اور پرسکون رہائش گاہ فراہم کی جائے، اور ان کی اور ان کے اہل و عیال کے لیے بنیادی طبی سہولیات کا انتظام ممکن بنایا جائے۔

حالات کو اپنے موافق بنانے میں ائمہ کرام کو بھی اپنی طرف سے کچھ قربانیاں پیش کرنا بھی ناگزیر ہوگا جیسے:

* صبر اور مخلصانہ نیت: * ائمہ کرام اس حقیقت کو ملحوظ رکھیں کہ امامت صرف ایک پیشہ یا ذریعہ معاش نہیں، بلکہ انبیاء علیہم السلام کی عظیم وراثت ہے۔ اس لیے درپیش مشکلات پر صبر، کشادہ ظرفی اور مستقل مزاجی کا مظاہرہ کریں۔

* علمی ترقّی اور مطالعہ: * مسلسل مطالعہ کی عادت اپنائیں۔ جدید مسائل، نفسیات اور دعوت کے جدید اسالیب کو سمجھیں تاکہ خطابات پرکشش، بااثر اور بارآور ہوں۔

* خود کفالت کے متبادل ذرائع: *

اگر ممکن ہو تو امامت کے اوقات سے ہٹ کر کوئی شرافت والا جز وقتی (Part-time) کام یا آن لائن حلال کاروبار شروع کریں (مثلاً تصنیف و تالیف، حکمت، تجارت، یا آن لائن تدریس) تاکہ کمیٹی پر معاشی انحصار کم سے کم ہو اور عزتِ نفس برقرار رہے۔

قارون آج بھی زندہ ہے!

غلام جیلانی قمر
خیرا، بانکا (بہار)

قرآن کریم میں بیان کیے گئے واقعات محض گزرے ہوئے زمانوں کی داستانیں نہیں، بلکہ انسانی زندگی کے لیے آئینہ ہیں۔ ان میں ایسے کردار بھی ہیں جو بظاہر تاریخ کا حصہ بن چکے، مگر ان کی سوچ، ان کے طرزِ عمل اور ان کے انجام کی جھلک آج بھی ہمارے معاشرے میں دیکھی جا سکتی ہے۔ قارون بھی انہی کرداروں میں سے ایک ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ قصص میں قارون کے واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس واقعے میں قارون کی دولت، اس کے طرزِ فکر، اس کی ظاہری شان و شوکت، لوگوں کی اس کے مال سے مرعوبیت اور بالآخر اس کے عبرت ناک انجام کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔ قرآن کا یہ بیان صرف ایک شخص کی داستان نہیں، بلکہ ہر اس دور کے انسان کے لیے آئینہ ہے جہاں مال و دولت انسان کے لیے نعمت سے بڑھ کر غرور اور برتری کا ذریعہ بننے لگے۔

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی دولت عطا فرمائی تھی۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ قَارُوۡنَ کَانَ مِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰی فَبَغٰی عَلَیۡہِمۡ ۪ وَ اٰتَیۡنٰہُ مِنَ الۡکُنُوۡزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَہٗ لَتَنُوۡٓاُ بِالۡعُصۡبَۃِ اُولِی الۡقُوَّۃِ ٭ اِذۡ قَالَ لَہٗ قَوۡمُہٗ لَا تَفۡرَحۡ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡفَرِحِیۡنَ۔ (القصص،۷۶)

بیشک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا پھر اس نے ان پر زیادتی کی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے جن کی کنجیاں ایک زور آور جماعت پر بھاری تھیں جب اس سے اس کی قوم نے کہا اِترا نہیں بیشک اللہ اِترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (کنزالایمان)

دولت اس کی آزمائش تھی، مگر اس نے اسے اپنی بڑائی کا ذریعہ بنالیا۔ یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ قرآن دولت کو بذاتِ خود برا قرار نہیں دیتا۔ حلال تجارت، زراعت، صنعت، ملازمت اور کاروبار سب جائز ذرائع ہیں۔ اصل مسئلہ دولت کی مقدار نہیں، اس کے استعمال اور اس کے ساتھ انسان کے رویے کا ہے۔ مال ہاتھ میں رہے تو نعمت ہے، دل میں اتر جائے تو آزمائش بن جاتا ہے۔

قارون کو اس کی قوم نے سمجھایا: وَ ابۡتَغِ فِیۡمَاۤ اٰتٰىکَ اللّٰہُ الدَّارَ الۡاٰخِرَۃَ وَ لَا تَنۡسَ نَصِیۡبَکَ مِنَ الدُّنۡیَا وَ اَحۡسِنۡ کَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ وَ لَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُفۡسِدِیۡنَ۔ (القصص،۷۷)

اور جو مال تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول اور احسان کر جیسا اللہ نے تجھ پر احسان کیا اور زمین میں فساد نہ چاہ بے شک اللہ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (کنزالایمان) یہ آیت کریمہ اسلام کے معاشی مزاج کو بڑی خوبصورتی سے واضح کرتی ہے۔ اسلام انسان کو دنیا سے کٹ جانے کا حکم نہیں دیتا، بلکہ دنیا کی نعمتوں کو آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنانے کی تعلیم دیتا ہے۔ دولت کماؤ، مگر اسے مقصدِ زندگی نہ بناؤ؛ دنیا میں رہو، مگر آخرت کو فراموش نہ کرو؛ اپنے لیے خرچ کرو، مگر دوسروں کے حقوق بھی ادا کرو۔

مگر قارون نے اس نصیحت کو قبول کرنے کے بجائے اپنی دولت کا سہرا اپنے سر باندھ لیا۔ اس نے کہا: قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِیۡتُہٗ عَلٰی عِلۡمٍ عِنۡدِیۡ ؕ اَوَ لَمۡ یَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَہۡلَکَ مِنۡ قَبۡلِہٖ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مَنۡ ہُوَ اَشَدُّ مِنۡہُ قُوَّۃً وَّ اَکۡثَرُ جَمۡعًا ؕ وَ لَا یُسۡـَٔلُ عَنۡ ذُنُوۡبِہِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ۔ (القصص،۷۸)

بولا یہ تو مجھے ایک علم سے ملا ہے جو میرے پاس ہے اور کیا اسے یہ نہیں معلوم کہ اللہ نے اس سے پہلے وہ سنگتیں ہلاک فرمادیں جن کی قوتیں اس سے سخت تھیں اور جمع اس سے زیادہ اور مجرموں سے ان کے گناہوں کی پوچھ نہیں۔ (کنزالایمان)

یہ ذہنیت آج بھی مختلف شکلوں میں ہمارے درمیان موجود ہے۔ انسان کہتا ہے: میں نے اپنی محنت سے کمایا، اپنی عقل سے کاروبار کھڑا کیا، اپنی صلاحیت سے مقام بنایا۔ لیکن وہ یہ بھول جاتا ہے کہ عقل کس نے دی، صحت کس نے دی، وقت کس نے دیا، مواقع کس نے پیدا کیے اور رزق کے اسباب کس نے فراہم کیے۔ قارون جب اپنی زینت اور شان و شوکت کے ساتھ لوگوں کے سامنے نکلا تو دنیا کے دلدادہ لوگوں نے اسے دیکھ کر کہا: فَخَرَجَ عَلٰی قَوۡمِہٖ فِیۡ زِیۡنَتِہٖ ؕ قَالَ الَّذِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا یٰلَیۡتَ لَنَا مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیَ قَارُوۡنُ ۙ اِنَّہٗ لَذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ۔ (القصص،۷۹)

تو اپنی قوم پر نکلا اپنی آرائش میں بولے وہ جو دنیا کی زندگی چاہتے ہیں کسی طرح ہم کو بھی ایسا ملتا جیسا قارون کو ملا بیشک اس کا بڑا نصیب ہے۔ (کنزالایمان)

انسانی مزاج آج بھی زیادہ تبدیل نہیں ہوا۔ آج بھی کسی کی کامیابی کا اندازہ اکثر اس کے مکان، گاڑی، لباس، کاروبار اور ظاہری شان و شوکت سے لگایا جاتا ہے۔ سوشل میڈیا نے تو اس دوڑ کو مزید تیز کر دیا ہے۔ تصویر میں مسکراہٹ نظر آتی ہے، قرض نظر نہیں آتا؛ محل نظر آتا ہے، اس کی قیمت نہیں؛ مہنگی گاڑی دکھائی دیتی ہے، اس کے پیچھے کی پریشانی نہیں۔ لوگ ظاہری زندگی دیکھ کر اپنی پوری زندگی کو دوسروں کی زندگی سے موازنہ کرنے لگتے ہیں۔

لیکن قرآن کا معیار اس سے مختلف ہے۔ اہلِ علم نے ان لوگوں کو جواب دیا جو قارون کی دولت سے متاثر ہوئے تھے: وَ قَالَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَیۡلَکُمۡ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیۡرٌ لِّمَنۡ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوۡنَ۔ (القصص،۸۰)

اور بولے وہ جنہیں علم دیا گیا خرابی ہو تمہاری اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لیے جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے اور یہ انہیں کو ملتا ہے جو صبر والے ہیں۔ (کنزالایمان)

یعنی کامیابی کا معیار یہ نہیں کہ دنیا میں کس کے پاس کتنا ہے، بلکہ یہ ہے کہ انسان اپنے پاس موجود نعمت کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ مال اگر ایمان، شکر، سخاوت اور خدمتِ خلق کا ذریعہ بن جائے تو نعمت ہے، اور اگر غرور، ظلم اور غفلت کا سبب بن جائے تو وبال بن سکتا ہے۔

بالآخر قارون اپنی دولت سمیت اللہ کی پکڑ سے نہ بچ سکا۔ قرآن کریم فرماتا ہے: فَخَسَفۡنَا بِہٖ وَ بِدَارِہِ الۡاَرۡضَ ۟ فَمَا کَانَ لَہٗ مِنۡ فِئَۃٍ یَّنۡصُرُوۡنَہٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ٭ وَ مَا کَانَ مِنَ الۡمُنۡتَصِرِیۡنَ۔ (القصص،۸۱)

تو ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ سے بچانے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ بدلہ لے سکا۔ (کنزالایمان)

قارون کے انجام کے ساتھ قرآن نے ایک اور نہایت اہم منظر پیش کیا۔ جو لوگ کل تک اس کی دولت دیکھ کر حسرت کر رہے تھے، وہ اس انجام کو دیکھ کر اپنی رائے بدل بیٹھے: وَ اَصۡبَحَ الَّذِیۡنَ تَمَنَّوۡا مَکَانَہٗ بِالۡاَمۡسِ یَقُوۡلُوۡنَ وَیۡکَاَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ وَ یَقۡدِرُ ۚ لَوۡ لَاۤ اَنۡ مَّنَّ اللّٰہُ عَلَیۡنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیۡکَاَنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الۡکٰفِرُوۡنَ۔ (القصص،۸۲) اور کل جس نے اس کے مرتبہ کی آرزو کی تھی صبح کہنے لگے عجب بات ہے اللہ رزق وسیع کرتا ہے اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے اور تنگی فرماتا ہے اگر اللہ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا اے عجب کافروں کا بھلا نہیں۔ (کنزالایمان)

یہاں قرآن ایک نہایت اہم حقیقت واضح کرتا ہے کہ رزق کی فراوانی ہمیشہ اللہ کی خوشنودی کی دلیل نہیں اور رزق کی تنگی ہمیشہ اللہ کی ناراضی کی علامت نہیں۔ مال بھی آزمائش ہے اور تنگ دستی بھی۔ کسی کو زیادہ دے کر آزمایا جاتا ہے کہ وہ شکر کرتا ہے یا تکبر، اور کسی کو کم دے کر دیکھا جاتا ہے کہ وہ صبر کرتا ہے یا شکوہ۔

آخر میں قرآن نے قارون کے واقعے کا خلاصہ ایک ایسے اصول میں کر دیا جو ہر دور کے انسان کے لیے رہنمائی رکھتا ہے: تِلۡکَ الدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ نَجۡعَلُہَا لِلَّذِیۡنَ لَا یُرِیۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ۔ (القصص،۸۳)

یہ آخرت کا گھر ہم اُن کے لیے کرتے ہیں جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے اور نہ فساد اور عاقبت پرہیزگاروں ہی کی ہے۔ (کنزالایمان)

آج ہمارے معاشرے میں قارون کو تلاش کرنے کے لیے کسی خزانے کی ضرورت نہیں۔ جہاں دولت انسان کو دوسروں سے برتر سمجھنے لگے، جہاں مال کی وجہ سے غریب حقیر اور دولت مند معتبر سمجھا جائے، جہاں آمدنی بڑھتی رہے مگر زکوٰۃ، صدقات اور حقوق العباد کا احساس کم ہوتا جائے، جہاں حلال و حرام کی تمیز صرف اس وقت یاد آئے جب نقصان کا اندیشہ ہو، وہاں قارون کی ذہنیت کسی نہ کسی شکل میں زندہ ہے۔

اسلام نے مال کمانے سے نہیں روکا، بلکہ مال کے صحیح استعمال کا راستہ دکھایا ہے۔ قرآن کریم اہلِ ایمان کو متنبہ کرتا ہے: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَ لَا خُلَّۃٌ وَّ لَا شَفَاعَۃٌ ؕ وَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ۔ (البقرہ،۲۵۴) اے ایمان والو اللہ کی راہ میں ہمارے دیئے میں سے خرچ کرو وہ دن آنے سے پہلے جس میں نہ خرید فروخت ہے، نہ کافروں کے لئے دوستی، نہ شفاعت اور کافر خود ہی ظالم ہیں۔ (کنزالایمان)

لہٰذا کمائی حلال ہو، زکوٰۃ ادا کی جائے، اہلِ خانہ اور ضرورت مندوں کے حقوق ادا کیے جائیں، یتیموں، مسکینوں، طلبہ، بیماروں اور پریشان حال خاندانوں کا خیال رکھا جائے اور اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کیا جائے۔ محض یہ خیال کافی نہیں کہ ناجائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت کا کچھ حصہ خیرات کر کے اسے پاک کر لیا جائے؛ مال کے پاک ہونے کی بنیاد اس کے پاک ذریعے پر ہے۔

قارون کے خزانے آج کہاں ہیں؟ جن گھروں، زمینوں، دکانوں اور خزانوں پر اسے ناز تھا، وہ اس کے ساتھ نہیں گئے۔ دنیا کا قانون یہی ہے کہ مال کسی ایک ہاتھ میں ہمیشہ نہیں رہتا۔ آج ایک کے پاس ہے، کل دوسرے کے پاس ہوگا۔ اصل دولت وہ ہے جو انسان اپنے ساتھ آخرت کے لیے بھیج دے۔ اس لیے ہمیں قارون کے خزانے نہیں چاہییں، ہمیں قارون کے انجام سے بچنا چاہیے۔ ہمیں دولت ملے تو شکر کے ساتھ، ترقی ملے تو عاجزی کے ساتھ اور وسعتِ رزق ملے تو سخاوت کے ساتھ۔ مال انسان کی کامیابی کا سرٹیفکیٹ نہیں، بلکہ اس کے امتحان کا سوال نامہ ہے۔ دولت کی قدر اس کی مقدار سے نہیں، اس کے مصرف سے ہوتی ہے۔ آپ نے کتنا کمایا، اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ کس راستے سے کمایا، اس میں دوسروں کے کتنے حقوق ادا کیے اور اللہ کی رضا کے لیے کتنا خرچ کیا۔ اگر آپ نے اسے شکر، سخاوت اور خدمتِ خلق کا وسیلہ بنا لیا تو نعمت ہے، لیکن یہی دولث غرور، ظلم اور غفلت کا سبب بن جائے تو انسان کو اسی راستے پر لے جا سکتی ہے جس کا انجام قارون کے سامنے آچکا ہے۔

وقت کے ساتھ دولت کے ذرائع بدل گئے، رہن سہن کے انداز بدل گئے، مگر دولت پر اترانے کی وہ کمزوری آج بھی باقی ہے۔ کبھی یہ عالیشان مکانوں میں دکھائی دیتی ہے، کبھی مہنگی گاڑیوں میں، کبھی کاروباری رعب میں اور کبھی محض اپنی حیثیت جتانے کے انداز میں۔ لیکن قرآن کی یہ خبر آج بھی اپنی پوری معنویت کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہے۔

مدارس کی کمزور ہوتی تعلیم کے پیچھے ایک خاموش وبا

ابوالخالد محمد اظہرالدین علیمی جموں کشمیر

چند سکّوں کی چمک، علم کی روشنی پر غالب نہ آجائے!

مدارسِ اسلامیہ صرف اینٹ، پتھر اور چند کمروں کا نام نہیں؛ یہ وہ مقدس مراکز ہیں جہاں قرآن کی تلاوت، حدیث کی روایت، فقہ کی بصیرت، عربی کی شیرینی، عقائد کی پختگی اور اخلاق و کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔ یہاں آنے والا طالب علم محض کتابیں پڑھنے نہیں آتا، بلکہ وہ امت کا رہنما، دین کا خادم، شریعت کا ترجمان اور ملت کا چراغ بننے آتا ہے۔

مگر افسوس! آج مدارس کی تعلیمی کمزوری کی مختلف وجوہات میں ایک نہایت خطرناک اور خاموش مسئلہ تیزی سے سرایت کرتا جا رہا ہے، اور وہ ہے:

* "طالب علمی کے زمانے میں ٹیوشن کا شوق!" *

طالب علم ابھی خود علم کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے، ابھی اس نے چند کتابیں پڑھی ہوتی ہیں، ابھی صرف و نحو کی گتھیاں پوری طرح نہیں سلجھیں، ابھی فقہ و اصول کی باریکیاں اس کے سامنے نہیں کھلیں، ابھی حدیث کے بحرِ بے کراں میں اترنے کا مرحلہ نہیں آیا، ابھی قرآن کے علوم سے صحیح واقفیت پیدا نہیں ہوئی — لیکن چند اسباق یاد کر لینے، چند پارے حفظ کر لینے یا درسِ نظامی کی ابتدائی منزلیں طے کر لینے کے بعد دل میں ایک عجیب سا احساس پیدا ہوتا ہے:

اب میں بھی پڑھا سکتا ہوں!

اور پھر طالب علم مدرسے کی چار دیواری سے نکل کر گھروں میں ٹیوشن پڑھانے لگتا ہے۔

یہ صرف وقت کا ضیاع نہیں، طالب علمی کے مقصد سے انحراف ہے!

ٹیوشن سے حاصل ہونے والے چند سو یا چند ہزار روپے بظاہر معمولی فائدہ محسوس ہوتے ہیں، مگر ان کے بدلے میں طالب علم جو کچھ کھوتا ہے، اس کا حساب بہت بڑا ہے۔

وہ اپنا وقت کھوتا ہے، یکسوئی کھوتا ہے، مطالعہ کھوتا ہے، اساتذہ کی صحبت کھوتا ہے، علمی ذوق کھوتا ہے اور بالآخر علم کی وہ گہرائی کھو دیتا ہے جس کے لیے وہ مدرسے میں داخل ہوا تھا۔

صبح مدرسے میں سبق، پھر گھر گھر جا کر ٹیوشن، واپسی پر تھکن، پھر اگلے دن کے سبق کی تیاری — نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کتاب سامنے کھلی رہتی ہے مگر ذہن کہیں اور ہوتا ہے۔

طالب علم کا جسم مدرسے میں اور ذہن روپے کمانے میں مصروف ہو جاتا ہے۔

چند روپوں کے عوض مستقبل کا سودا!

ذرا سوچئے!

ایک طالب علم اگر روزانہ دو تین گھنٹے ٹیوشن پڑھاتا ہے اور اس سے چند روپے کما لیتا ہے تو بظاہر اس نے فائدہ حاصل کیا؛ لیکن اگر انہی دو تین گھنٹوں میں وہ اپنے سبق کی تیاری، مطالعہ، تکرار، اساتذہ سے استفادہ اور علمی استعداد پیدا کرتا تو چند سال بعد وہ خود ایک مضبوط عالم، فقیہ، مدرس، خطیب یا مصنف بن سکتا تھا۔

پھر سوال یہ ہے کہ چند روپوں کے لیے ہم ایک قیمتی علمی مستقبل کیوں قربان کر رہے ہیں؟

آج کی چھوٹی سی آمدنی کل کی بڑی محرومی بن سکتی ہے۔

روپیہ آج مل جائے گا، مگر ضائع شدہ علمی وقت واپس نہیں آئے گا۔

سب سے خطرناک بیماری: *میں بھی قابل ہو گیا*

ٹیوشن کا ایک نقصان مالی نہیں بلکہ نفسیاتی اور علمی ہے۔

طالب علم جب کسی گھر میں جا کر بچوں کو پڑھانے لگتا ہے تو آہستہ آہستہ اس کے اندر ایک احساس پیدا ہوتا ہے کہ:

میں اب دوسروں کو پڑھانے کے قابل ہو گیا ہوں۔

پھر وہ اپنے آپ کو طالب علم کم اور استاد زیادہ سمجھنے لگتا ہے۔

چند پارے حفظ کر لیے تو سمجھا حافظ بن گیا، چند ابتدائی کتابیں پڑھ لیں تو خیال ہوا عالم بن گیا، کسی ایک فن کی چند کتابیں دیکھ لیں تو خود کو صاحبِ علم سمجھنے لگا۔

یہی وہ مقام ہے جہاں علم کی جستجو ختم اور خود پسندی کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ:

علم کا ایک دروازہ کھلنا، عالم بن جانے کی دلیل نہیں؛ بلکہ علم کے بے شمار دروازوں کے سامنے کھڑے ہونے کی ابتدا ہے۔

طالب علم! تم ابھی "زینہ" ہو، "منزل" نہیں!

اے عزیز طالب علم!

اگر تم نے قرآن پاک حفظ کر لیا ہے تو یہ یقیناً بہت بڑی سعادت ہے، مگر یاد رکھو:

حفظِ قرآن منزلِ علم نہیں، علم کے عظیم سفر کا آغاز ہے۔

اگر تم نے درسِ نظامی کی کوئی منزل مکمل کر لی ہے تو مبارک ہو، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم محدث، فقیہ یا کامل عالم بن گئے۔

تم ابھی ایک زینہ طے کر کے دوسرے زینے کے سامنے کھڑے ہو۔

ابھی تمہیں پڑھنا ہے، سمجھنا ہے، تحقیق کرنا ہے، اساتذہ کے سامنے بیٹھنا ہے، سوال کرنا ہے، غلطیاں درست کرانی ہیں، مطالعہ کرنا ہے، راتوں کو جاگنا ہے، کتابوں سے رشتہ مضبوط کرنا ہے اور اپنی علمی شخصیت کو پختہ کرنا ہے۔

جس طالب علم نے پہلی کامیابی کو آخری منزل سمجھ لیا، اس کا علمی سفر وہیں رک جاتا ہے۔

اساتذۂ مدارس بھی اپنا محاسبہ کریں!

یہ مسئلہ صرف طلبہ کا نہیں۔

مدارس کے اساتذہ اور ذمہ داران کو بھی اس پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔

اگر مدرسے کا طالب علم باقاعدگی سے باہر جا کر ٹیوشن پڑھا رہا ہے، اس کے اسباق کمزور ہو رہے ہیں، حاضری متاثر ہو رہی ہے، مطالعہ کم ہو رہا ہے، سبق یاد نہیں ہوتا، تکرار نہیں ہوتی، تو صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ:

طالب علم کی اپنی مرضی ہے!

نہیں!

طالب علم ابھی زیرِ تربیت ہے۔ وہ صرف کتاب نہیں پڑھ رہا؛ اس کی شخصیت بن رہی ہے۔

اساتذہ کو دیکھنا ہوگا کہ کون سا طالب علم باہر جا رہا ہے، کیوں جا رہا ہے، کتنے وقت کے لیے جا رہا ہے، اس کی پڑھائی پر کیا اثر پڑ رہا ہے اور اس کے مستقبل کو کس سمت لے جایا جا رہا ہے۔

مدرسے کو صرف حاضری کا رجسٹر نہیں، طالب علم کی پوری علمی و اخلاقی زندگی دیکھنی ہوگی۔

ٹیوشن کی آمدنی سے پہلے علم کی دولت!

ہمیں طلبہ کو یہ سمجھانا ہوگا کہ:

تم یہاں کمانے نہیں، بننے آئے ہو!

تمہارا اصل سرمایہ چند سو روپے نہیں، علم ہے۔

تمہاری اصل دولت جیب میں پڑے نوٹ نہیں، قرآن و حدیث کی سمجھ ہے۔

تمہاری اصل پہچان یہ نہیں کہ تم کتنے گھروں میں ٹیوشن پڑھاتے ہو؛ بلکہ یہ ہے کہ تم کتنی مضبوط علمی بنیاد کے ساتھ مدرسے سے نکلتے ہو۔

آج اگر تم نے اپنے طالب علمی کے چند سال پوری محنت سے علم حاصل کرنے میں لگا دیے تو کل تمہارے علم سے ہزاروں انسان فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

مگر اگر آج تم چند روپوں کے پیچھے اپنی طالب علمی قربان کر دو گے تو ممکن ہے کل تمہارے پاس نہ مکمل علم ہو، نہ مضبوط استعداد اور نہ وہ علمی مقام جس کی تمنا لے کر مدرسے میں داخل ہوئے تھے۔

مال کی محبت آہستہ آہستہ علم کی محبت کو کھا جاتی ہے

پہلے طالب علم کہتا ہے:

بس تھوڑی سی ٹیوشن پڑھاؤں گا۔

پھر چند روپے ملتے ہیں۔

پھر دل میں ان پیسوں کی لذت پیدا ہوتی ہے۔

پھر ٹیوشن کے مزید طلبہ تلاش کیے جاتے ہیں۔

پھر مدرسے کا وقت بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے۔

پھر مطالعہ مشکل لگتا ہے۔

پھر کتابیں خشک محسوس ہوتی ہیں۔

پھر سبق یاد کرنے کے بجائے یہ فکر ہوتی ہے کہ آج کتنے گھروں میں جانا ہے۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے:

علم مقصد نہیں رہتا، آمدنی مقصد بن جاتی ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں طالب علم کے اندر قناعت کی جگہ حرص، طلبِ علم کی جگہ طلبِ زر اور اخلاص کی جگہ دنیا کی کشش گھر کرنے لگتی ہے

ذمہ دارانِ مدارس کے لیے ایک سنجیدہ سوال

کیا ہم اپنے مدارس سے ایسے نوجوان نکالنا چاہتے ہیں جو چند گھروں میں ٹیوشن پڑھانے کے قابل ہوں؟

یا ایسے علماء پیدا کرنا چاہتے ہیں جو قرآن و سنت کی روشنی میں نسلوں کی رہنمائی کر سکیں؟

اگر دوسرا مقصد ہے تو پھر ہمیں طالب علم کے وقت کی حفاظت کرنی ہوگی۔

مدرسے کے اوقات کے ساتھ ساتھ اس کے مطالعے، تکرار، آرام، عبادت، تربیت اور علمی ماحول کی بھی حفاظت ضروری ہے۔

ضرورت مند طالب علم کی مدد کی جائے، اس کی جائز ضروریات پوری کرنے کی کوشش کی جائے، لیکن اسے اس انداز سے معاشی دوڑ میں نہ دھکیلا جائے کہ وہ طالب علمی ہی سے محروم ہو جائے۔

ایک طالب علم کو استاد بننے کی جلدی کیوں؟

دنیا کے ہر فن میں انسان پہلے سیکھتا ہے، پھر ماہر بنتا ہے، پھر دوسروں کو سکھاتا ہے۔

ایک ڈاکٹر پہلے برسوں پڑھتا ہے، پھر تربیت لیتا ہے، پھر علاج کرتا ہے۔

ایک انجینئر پہلے علم حاصل کرتا ہے، پھر تجربہ حاصل کرتا ہے، پھر ذمہ داری سنبھالتا ہے۔

ایک وکیل پہلے قانون پڑھتا ہے، پھر تجربہ حاصل کرتا ہے، پھر عدالت میں مضبوطی سے کھڑا ہوتا ہے۔

تو پھر علمِ دین کے طالب علم کو چند کتابیں پڑھتے ہی استاد بننے کی جلدی کیوں؟

پہلے خود بنو، پھر دوسروں کو بنانے کا کام کرو۔

مدارس کے طلبہ کے نام آخری پیغام

اے عزیز طالب علم!

تمہارے ہاتھ میں کتاب ہے، اسے نوٹوں کی گنتی میں تبدیل نہ کرو۔

تمہارے سامنے علم کا سمندر ہے، اسے چند قطروں پر ختم نہ سمجھو۔

تمہارے پاس جوانی ہے، اسے چند روپوں کے عوض فروخت نہ کرو۔

تم مدرسے میں ایک عظیم مقصد کے لیے آئے ہو۔

تمہیں پڑھنا ہے۔

بہت پڑھنا ہے۔

گہرائی سے پڑھنا ہے۔

سمجھ کر پڑھنا ہے۔

عمل کے لیے پڑھنا ہے۔

اور امت کی رہنمائی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے۔

ٹیوشن کے چند روپے تمہیں وقتی خوشی دے سکتے ہیں، لیکن مکمل علمی شخصیت تمہیں پوری زندگی عزت، وقار اور خدمت کا موقع دے سکتی ہے۔

یاد رکھو:

جو طالب علم طالب علمی میں کمانے کی فکر میں لگ گیا، وہ ممکن ہے پیسہ تو کما لے؛ مگر وہ علم کی وہ دولت کھو دے جس کے لیے اسے مدرسے میں بھیجا گیا تھا۔

اور مدارس کے اساتذہ و ذمہ داران بھی یاد رکھیں:

طالب علم کو صرف پڑھانا کافی نہیں؛ اسے طالب علم بنائے رکھنا بھی استاد کی ذمہ داری ہے۔

آیئے! مدارس کے ماحول میں پھر سے کتاب کی محبت، استاد کی عظمت، مطالعے کا ذوق، تکرار کی پابندی، علم کی پیاس اور مقصدِ زندگی کا شعور پیدا کریں۔

ورنہ خطرہ صرف یہ نہیں کہ چند طلبہ کی پڑھائی کمزور ہو جائے گی؛

خطرہ یہ ہے کہ آنے والی نسلوں کے ہاتھ میں دین کی امانت کمزور پڑ جائے گی۔

اور اس سے بڑا نقصان دین، مدارس اور پوری امت کے لیے اور کیا ہو سکتا ہے؟

عورت "مزاحمت اور جدوجہد کی علامت"

طفیل مگسی

کچھ نام وقت کی بے رحم گرد میں گم نہیں ہوتے، ہر گزرتا زمانہ انہیں مزید تابناک بناتا ہے۔ ایسی ہستیاں فقط کتابوں کے اوراق میں محفوظ نہیں رہتے بلکہ نسلوں کے حافظے میں زندہ رہتے ہیں۔ تاریخ ایسے لوگوں کو کبھی فراموش نہیں کرتی جنھوں نے اپنی ذاتی خوشیوں اور آرام دہ زندگی کو ترک کر کے خود کو ایک بڑے مقصد کے لیے خود کو وقف کر دیا ہو۔ اگرچہ ان کی زندگیوں میں عام انسانوں جیسی سہولتیں کم یا شاید ناپید ہوتی ہیں، لیکن ان کے خواب منفرد ہوتے ہیں کہ وہ اپنے لیے کم اور آنے والی نسلوں کے لیے زیادہ جیتے ہیں۔

ایسی خواتین جنھوں نے اپنے گھروں کی دہلیز سے نکل کر تاریخ کے مصائب انگیز اور کٹھن ترین راستوں کا انتخاب کیا، وہ بخوبی ادراک رکھتی تھیں کہ اس سفر میں انہیں تنہائی، خوف، جدائی، قید و بند، تشدد اور بے شمار قربانیوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ تمام مصائب کا ادراک رکھنے کے باوجود بھی ان کے قدم متزلزل نہیں ہوئے، کیونکہ ان کے نزدیک اپنی قوم، اپنی سرزمین اور اپنے نظریے کی حرمت و پاسداری ذاتی زندگی سے زیادہ اہم ہو چکی تھی۔ ان کے لیے وطن سے وابستگی صرف ایک احساس نہیں بلکہ ایک جذبہ، ایک عہد اور فریضہ تھی۔

تاریخ کا ایک المیہ یہ رہا ہے کہ اس کے صفحات میں طاقتوروں کا نام ہی لکھا گیا۔ اس کا سبب یہ رہا ہے کہ جب تاریخ نویسی کی ابتدا ہوئی تو دنیا میں پدرشاہی نظام قائم تھا۔ البتہ اس کے باوجود بھی عورتوں نے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں جن کے ذکر کے بغیر انسانی تاریخ ہی مکمل نہیں ہو سکتی۔ کہنے کا مقصد انہوں نے یکطرفہ تاریخ کو چیلنج کرتے ہوئے اپنا نام درج کروایا۔

ایک تو وہ خواتین ہیں جو سلسلۂ نسب کسی طاقتور خاندان سے جا کر ملتا ہے ان کا نام شاید ہی تاریخ سے حذف کیا جا سکے، جیسے قبل مسیح کا مشہور بلوچ افسانوی کردار رستم بن زال کی جنگجو بیٹیاں "بانو گنشپ" اور "زربانو"۔ البتہ وقت کی کھایا پلٹتی گئی، دنیا میں نت نئی تبدیلیوں کے عمل میں تیزی آتی گئی، سوچ میں تبدیلی آتی گئی، علم کی ارتقا کی رفتار میں تیزی آتی ہے، حرص و ہوس بھی بڑھتا گیا، طاقتوروں نے محکوموں پر یلغار کا طویل سلسلہ شروع کیا۔ جس سے سیاسی، سماجی اور انقلابی تبدیلیاں رونما ہونے لگی۔ ان تبدیلیوں کے سبب گمنام خواتین کو بھی ان کے کارہائے نمایاں کے سبب تاریخ کے اوراق میں جگہ بنانے کا موقع ملا۔ ایسی انگنت خواتین کا کردار آشکار ہو چکا ہے جنھوں نے بے اختیار ہونے کے باوجود طاقتور اور استحصالی نظاموں کو چیلنج کیا۔ ان کے پاس ہمیشہ ہتھیار نہیں تھے، لیکن ان کے پاس یقین تھا۔ ان کے پاس اقتدار نہیں تھا، لیکن ان کے پاس حوصلہ تھا۔ انہوں نے ثابت کیا کہ ایک عورت کی آواز، اگر وہ انصاف، وقار اور حق کی بنیاد پر بلند ہو، تو پورے معاشرے کی سمت بدل سکتی ہے۔

دنیا کے مختلف خطوں میں نوآبادیاتی طاقتوں نے نہ صرف زمینوں پر قبضہ کیا بلکہ مقامی آبادی کی شناخت، ثقافت، زبان، تاریخ اور اجتماعی زندگی کو بھی اپنے کنٹرول میں لانے کی کوشش کی۔ Imperialism (سامراجیت)، Settler Colonialism (آبادکار نوآبادیات)، Carceral Colonialism (قید، نگرانی اور سیکورٹی کے ذریعے کنٹرول) اور Collective Punishment (اجتماعی سزا) جیسے طریقے مختلف ادوار میں مزاحمت کو دبانے کے لیے استعمال کیے گئے۔

فلسفی میشل فوکو کے مطابق جدید ریاست صرف طاقت کے استعمال کے ذریعے حکومت نہیں کرتی بلکہ انسانی جسم، نقل و حرکت، شناخت، خاندان اور روزمرہ زندگی کو منظم کر کے اپنا غلبہ قائم کرتی ہے۔ ان کے تصور Biopolitics کے مطابق ریاست یہ طے کرتی ہے کہ کون سی زندگیاں معمول کے مطابق گزریں گی، کس کی نقل و حرکت محدود ہوگی، کس کی شناخت مشکوک سمجھی جائے گی اور کن خاندانوں کو مسلسل نگرانی اور خوف کے ماحول میں رکھا جائے گا۔ اسی بحث کو فلسفی اچیلے ممبے نے Necropolitics کے تصور کے ذریعے آگے بڑھایا۔ ان کے مطابق بعض طاقت کے نظام صرف زندگی پر اختیار نہیں رکھتے بلکہ یہ بھی طے کرتے ہیں کہ کون خوف، تشدد، جبری گمشدگی، قید اور مسلسل عدم تحفظ کے ماحول میں زندگی گزارے گا۔ جبکہ فرانز فینن نے نوآبادیاتی نظام کو ایک ایسا ڈھانچہ قرار دیا جو انسان کی شناخت، نفسیات اور اجتماعی شعور کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی بیشتر نوآبادیاتی تحریکوں میں خواتین صرف متاثرین نہیں رہیں بلکہ وہ انہی طاقت کے ڈھانچوں کے خلاف مزاحمت کی سب سے مضبوط علامت بن کر ابھریں۔

تاریخ کا یہی دوسرا رخ ہے کہ ہر جبر اپنے مقابلے میں مزاحمت کو جنم دیتا ہے، اور اکثر اس مزاحمت کی سب سے مضبوط آواز خواتین بنتی ہیں۔

موزمبیق میں پرتگالی نوآبادیاتی نظام کے خلاف جدوجہد صرف مسلح مزاحمت تک محدود نہیں تھی بلکہ یہ ایک سماجی اور سیاسی تحریک بھی تھی۔ FRELIMO (The Mozambique Liberation Front) نے اس تصور کو چیلنج کیا کہ خواتین کا کردار صرف گھریلو دائرے تک محدود ہے۔ تحریک کے ابتدائی برسوں میں خواتین خوراک، علاج، پیغام رسانی اور پناہ گاہوں کے انتظام میں شامل تھیں، لیکن جلد ہی انہوں نے سیاسی تنظیم سازی، انٹیلیجنس، سفارتی سرگرمیوں اور بعض علاقوں میں مسلح یونٹوں میں بھی کردار ادا کیا۔ ۱۹۶۶ء میں FRELIMO نے Women's Detachment قائم کیا، جس نے خواتین کو باقاعدہ تربیت دے کر تحریک کا فعال حصہ بنایا۔ یہ اس دور کے لیے ایک انتہائی اہم انقلابی قدم تھا، کیونکہ اس نے خواتین کو پہلی مرتبہ قومی مزاحمت کی فیصلہ سازی میں جگہ دی۔ جوزینا مچل (Josina Machel) اس تبدیلی کی سب سے نمایاں شخصیت بن کر سامنے آئیں۔ نوجوانی میں انہیں گرفتار کیا گیا، نقل و حرکت محدود کر دی گئی اور انہیں کئی بار ریاستی نگرانی کا سامنا کرنا پڑا، مگر انہوں نے اپنی جدوجہد ترک نہیں کی۔ وہ صرف قومی وقار کی بات نہیں کرتی تھیں بلکہ اس بات پر زور دیتی تھی کہ اگر خواتین سیاسی، سماجی اور معاشی طور پر بااختیار نہ ہوں تو کسی بھی معاشرے کی تبدیلی ادھوری رہے گی۔ انہوں نے جنگ سے متاثرہ خواتین اور بچوں کی فلاح، تعلیم اور تنظیم سازی کو تحریک کا لازمی حصہ بنایا۔ شدید بیماری اور مسلسل جدوجہد کے باعث ان کا انتقال صرف ۲۵ برس کی عمر میں ہو گیا، مگر آج بھی موزمبیق میں ۷ اپریل "یومِ خواتین" انہی کی یاد میں منایا جاتا ہے، جو اس بات کی علامت ہے کہ ایک خاتون کس طرح پوری قوم کی اجتماعی یادداشت کا حصہ بن سکتی ہے۔

انگولا میں پرتگالی نوآبادیاتی نظام کے خلاف جدوجہد میں خواتین نے محاذِ جنگ سے لے کر سیاسی تنظیم سازی تک ہر سطح پر کردار ادا کیا۔ انہوں نے زخمیوں کی دیکھ بھال، خفیہ پیغام رسانی، سیاسی تربیت، پناہ گاہوں کے قیام اور بین الاقوامی سطح پر تحریک کی نمائندگی جیسے اہم فرائض انجام دیے۔ نوآبادیاتی حکومت خواتین کو محض معاون کردار ادا کرنے تک محدود سمجھتی تھی، لیکن انگولا کی خواتین نے اس تصور کو مسترد کر دیا۔ انہوں نے ثابت کیا کہ مزاحمت صرف بندوق سے نہیں بلکہ قلم، تعلیم، تنظیم اور سیاسی شعور سے بھی کی جاتی ہے۔ ڈیولنڈا روڈریگز (Deolinda Rodrigues) اس تحریک کی سب سے مؤثر شخصیات میں شمار ہوتی ہیں۔ وہ ایک معلمہ، شاعرہ اور انقلابی کارکن تھیں جنھوں نے اپنی ڈائریوں اور خطوط میں جنگ، جبر، خواتین کی حیثیت اور نوآبادیاتی تشدد کو قلم بند کیا۔ انہیں مسلسل نگرانی، نقل و حرکت پر پابندیوں اور گرفتاری کے خطرات کا سامنا رہا۔ بالآخر انہیں گرفتار کیا گیا اور ۱۹۶۷ء میں قتل کر دیا گیا۔ ان کی تحریوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف نوآبادیاتی اقتدار کے خلاف نہیں بلکہ اس سوچ کے خلاف بھی جدوجہد کر رہی تھیں جو خواتین کو قیادت کے قابل نہیں سمجھتی تھی۔ ان کی زندگی انگولا میں خواتین کی سیاسی قیادت کی ایک اہم مثال ہے۔

اپارتھائیڈ (Apartheid) جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز پر مبنی ایک ریاستی نظام تھا، جس کے تحت سیاہ فام اکثریت کو زمین، تعلیم، رہائش، سیاسی حقوق، نقل و حرکت اور روزگار سمیت تقریباً ہر شعبے میں امتیازی قوانین کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ Pass Laws کے ذریعے سیاہ فام افراد کی نقل و حرکت کو کنٹرول کیا جاتا تھا، اور ریاست نے نگرانی، گرفتاریوں، تشدد اور جبری بے دخلی کو حکومتی پالیسی کا حصہ بنا دیا تھا۔ اس نظام کے خلاف خواتین نے غیر معمولی کردار ادا کیا۔ ۱۹۵۶ء کی Women's March میں تقریباً بیس ہزار خواتین نے پریٹوریا میں پاس قوانین کے خلاف احتجاج کیا، جو افریقہ کی تاریخ کی سب سے بڑی خواتین کی مزاحمتی تحریکوں میں شمار ہوتا ہے۔ Lilian Ngoyi، Helen Joseph، Sophia Williams-De Bruyn اور بعد میں Winnie Mandela جیسی خواتین نے سیاسی تنظیم سازی، خفیہ نیٹ ورکس، قیدیوں کے خاندانوں کی مدد، عالمی یکجہتی پیدا کرنے اور عوامی مزاحمت کو زندہ رکھنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔

ونی منڈیلا کو بارہا گرفتار کیا گیا، طویل عرصے تک تنہائی میں رکھا گیا، جلاوطن کیا گیا اور مسلسل ریاستی نگرانی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے باوجود انہوں نے اپارتھائیڈ کے خلاف مزاحمت کو جاری رکھا۔ جنوبی افریقہ کی خواتین نے یہ ثابت کیا کہ جب ریاست پورے معاشرے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرے تو خواتین صرف متاثرہ نہیں ہوتیں بلکہ مزاحمت کی تنظیم کار بھی بنتی ہیں۔

انڈونیشیا میں ڈچ نوآبادیاتی نظام نے صرف وسائل پر قبضہ نہیں کیا بلکہ تعلیم، سماجی ڈھانچے اور مقامی شناخت پر بھی اثر انداز ہونے کی کوشش کی۔ اسی ماحول میں آر اے کارتی نی (R.A. Kartini) نے خواتین کی تعلیم، فکری آزادی اور سماجی برابری کو قومی بیداری سے جوڑا۔ اگرچہ وہ مسلح مزاحمت کا حصہ نہیں تھیں، لیکن ان کے خطوط، جو بعد میں "From Darkness to Light" کے نام سے شائع ہوئے، انڈونیشیا کی خواتین کی تحریک کی بنیادی دستاویزات میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ ایک ایسا معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا جہاں نصف آبادی کو تعلیم اور فیصلہ سازی سے محروم رکھا جائے۔ بعد ازاں Martha Christina Tiahahu جیسی نوجوان خواتین نے براہِ راست نوآبادیاتی افواج کے خلاف مزاحمت میں حصہ لیا۔ کم عمری میں انہوں نے جنگی محاذ پر کردار ادا کیا، گرفتاری برداشت کی اور جلاوطنی کے دوران وفات پا گئیں۔ انڈونیشیا کی خواتین نے تعلیم، خفیہ رابطوں، عوامی تنظیم سازی، رسد کی فراہمی اور مسلح مزاحمت، ہر میدان میں اپنی موجودگی ثابت کی۔ ان کی جدوجہد نے یہ واضح کیا کہ نوآبادیاتی نظام صرف سرزمین پر قبضہ نہیں کرتا بلکہ خواتین کی آواز، تعلیم اور سماجی کردار کو بھی محدود کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اسی لیے خواتین کی مزاحمت قومی تحریکوں کا ایک ناگزیر ستون بن جاتی ہے۔

بلوچستان میں خواتین کی مزاحمت بھی دنیا بھر کی محکوم اقوام کی جدوجہد کی اسی درخشاں روایت کا تسلسل ہے، مگر یہاں یہ جدوجہد ایک ایسے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے جہاں خود خواتین ریاستی جبر کا براہِ راست ہدف بن رہی ہیں۔ وہ بلوچ مائیں، بہنیں اور بیٹیاں جو کل تک ریاستی خفیہ ایجنسیوں اور عسکری اداروں کے اہلکاروں کے ہاتھوں جبری گمشدگی کا شکار ہونے والے اپنے پیاروں کی بازیابی کے لیے سڑکوں پر صدائے احتجاج بلند کر رہی تھیں، آج خود جبری گمشدگیوں، ہراسانی اور ظلم و جارحیت کا سامنا کر رہی ہیں۔ یہ صورتِ حال نہ صرف انسانی حقوق کی سنگین پامالی ہے بلکہ بلوچ معاشرے کی اجتماعی روح کو کچلنے کی ایک منظم کوشش بھی ہے۔ ماہ جبین بلوچ، نسرینہ بلوچ، حبیبہ بلوچ اور خدیجہ بلوچ کے واقعات اس تلخ حقیقت کے ناقابلِ تردید شواہد ہیں کہ ریاستی جبر و جارحیت کا دائرہ اب ان خواتین تک بھی پھیل چکا ہے جو اپنے وجود کے ساتھ مزاحمت، استقامت اور قومی وقار کی علامت بن چکی ہیں۔

یہ قسط اول ہے آئندہ شمارے میں ان شاءاللہ اس کی قسط ثانی شائع کی جائے گی

اخلاقِ نبوی ﷺ اور دنیا پر اس کے اثرات

محمد انصار ندوی
چندر سین پور۔ مدھوبنی
رابطہ:-٨٨٧١٧٤٢٤٤

تاریخ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں زمانہ اپنے گزرے ہوئے چہروں کو دیکھتا ہے۔ اس آئینے میں کبھی تاج وتخت کی چمک دکھائی دیتی ہے، کبھی تلواروں کی جھلک، کبھی فاتحین کے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دیتی ہے اور کبھی شکست خوردہ قوموں کی آہیں؛ کہیں سلطنتوں کے عروج کی داستان ہے اور کہیں زوال کے ملبے پر کھڑے ہوئے محلوں کی خاموشی۔ انسانی تاریخ کے اس طویل سفر میں بے شمار نام آئے، کچھ وقت کی پیشانی پر چند روز کے لیے جگمگائے اور پھر گردِ زمانہ میں چھپ گئے؛ کچھ نے ملک فتح کیے، کچھ نے دلوں پر حکومت کی، کچھ نے قانون بنائے اور کچھ نے فلسفوں کی بنیاد رکھی۔ لیکن تاریخ کے اس بے رحم تسلسل میں ایک نام ایسا ہے جو صدیوں کی مسافت کے باوجود اپنی تازگی نہیں کھوتا، جس کی آواز وقت کی دیواروں سے ٹکرا کر آج بھی کروڑوں دلوں میں اترتی ہے، جس کی زندگی تاریخ بھی ہے اور اخلاق بھی، عقیدہ بھی ہے اور کردار بھی، سیاست بھی ہے اور انسانیت بھی۔ وہ نام محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہے۔

دنیا نے بڑے بڑے فاتح دیکھے، مگر اکثر فاتحین نے زمین فتح کی؛ محمد ﷺ نے انسان فتح کیا۔ دنیا نے بڑے بڑے حکمران دیکھے، مگر ان میں سے بہت سوں نے اپنی رعایا سے اطاعت تو حاصل کی، محبت نہ حاصل کرسکے: محمد ﷺ نے ایسے دلوں پر حکومت کی جنہوں نے اپنی جان، مال، اولاد اور گھر بار تک آپ ﷺ کے قدموں پر نچھاور کردیے۔ دنیا نے فلسفی دیکھے جنہوں نے اخلاق پر کتابیں لکھیں، مگر محمد ﷺ وہ ہستی ہیں جنہوں نے اخلاق کو کتاب کے اوراق سے نکال کر زندگی کے بازار میں لا کھڑا کیا۔ آپ ﷺ نے اخلاق پر صرف مواعظ نہیں فرمائے، اخلاق کو جیا؛ رحم کی تعلیم صرف زبان سے نہیں دی، اپنے دشمنوں کے زخموں پر رحم رکھا؛ عدل کا حکم صرف منبر سے نہیں دیا، اپنے مخالف کے حق میں بھی انصاف کیا؛ عفو کا درس صرف وعظ میں نہیں دیا، فتح کے دن اس کی سب سے بلند مثال قائم کردی۔

اسی لیے قرآن نے آپ ﷺ کی شخصیت کو کسی ایک جنگ، ایک معاہدے، ایک فتح یا ایک واقعے کے حوالے سے نہیں پہچنوایا، بلکہ پوری زندگی کو ایک لفظ میں سمیٹ دیا:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

”اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔“

یہ آیت دراصل سیرتِ محمدی ﷺ کا جامع ترین تعارف ہے۔ گویا قرآن کہتا ہے کہ اگر کوئی محمد ﷺ کی شخصیت کو ایک جملے میں سمجھنا چاہے تو اسے ان کے اخلاق کی طرف دیکھنا چاہیے۔ آپ ﷺ کی نبوت کا نور، آپ ﷺ کی عبادت کی روح، آپ ﷺ کی سیاست کی حکمت، آپ ﷺ کی معاشرت کی شیرینی اور آپ ﷺ کی قیادت کی کشش، سب کا سرچشمہ ایک ہی تھا: اخلاق۔

حسان بن ثابتؓ نے اسی حقیقت کو اپنے شاعرانہ وجدان میں یوں سمیٹا تھا:

؎ وأحسنُ منك لم ترَ قطُّ عيني
وأجملُ منك لم تلدِ النساءُ

یعنی میری آنکھ نے آپ ﷺ سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا اور عورتوں نے آپ ﷺ سے زیادہ جمیل کسی کو جنم نہیں دیا۔

مگر آپ ﷺ کا حسن صرف چہرے کی تابانی کا نام نہ تھا؛ اصل جمال کردار کا تھا، اصل حسن اخلاق کا تھا۔ چہرے کا حسن آنکھ کو متاثر کرتا ہے، اخلاق کا حسن دل کو مسخر کرتا ہے۔ جسم کا حسن زمانے کے ساتھ ڈھل جاتا ہے، کردار کا حسن نسلوں تک منتقل ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبوت سے پہلے مکہ کے لوگ آپ ﷺ کو ”الصادق“ اور ”الامین“ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ یہ کسی مداح کی طرف سے دیا ہوا خطاب نہ تھا، نہ کسی مذہبی مجلس کا متفقہ فیصلہ؛ یہ اسی معاشرے کا اعتراف تھا جو بعد میں آپ ﷺ کی دعوت کا سخت ترین مخالف بن گیا۔ آپ ﷺ کے دشمن آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کرسکتے تھے، آپ ﷺ کی دعوت کی مخالفت کرسکتے تھے، آپ ﷺ کے خلاف سازشیں کرسکتے تھے، مگر آپ ﷺ کی صداقت اور امانت پر انگلی اٹھانے میں بھی انہیں دشواری تھی۔ یہ ایک نہایت معنی خیز تاریخی حقیقت ہے۔

محمد ﷺ کی دعوت کا پہلا معجزہ شاید یہی تھا کہ آپ ﷺ کی زندگی خود آپ ﷺ کی دعوت کی گواہ بن گئی تھی۔

مکہ کی گلیوں میں آپ ﷺ کا کردار پہلے سے پہچانا جاتا تھا۔ تجارت میں امانت، معاملات میں صفائی، گفتگو میں صداقت اور معاشرت میں شرافت آپ ﷺ کی شخصیت کا حصہ بن چکی تھی۔ اسی لیے جب آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر قریش سے پوچھا کہ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر تم پر حملہ کرنے کے لیے تیار کھڑا ہے تو کیا تم میری بات مانو گے؟ تو انہوں نے آپ ﷺ کی سابقہ زندگی کی صداقت کو بنیاد بنا کر تصدیق کی۔ یہ دعوت کے آغاز کا ایک اخلاقی مقدمہ تھا: جس شخص نے کبھی دنیا کے معاملے میں جھوٹ نہیں بولا، وہ خدا کے معاملے میں جھوٹ کیسے بول سکتا ہے؟

یہاں سے اخلاقِ نبوی ﷺ کی وہ داستان شروع ہوتی ہے جس نے عرب کی صحرائی بستیوں سے نکل کر انسانی تہذیب کے بڑے بڑے مراکز تک سفر کیا۔

لیکن یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ محمد ﷺ نے صرف ایک بدو معاشرے کو اخلاق سکھائے۔ آپ ﷺ نے انسان کو یہ سکھایا کہ اخلاق حالات کا تابع نہیں ہونا چاہیے۔ عام انسان کمزور ہو تو شریف بن جاتا ہے اور طاقتور ہو تو اخلاق کی ضرورت محسوس نہیں کرتا؛ مگر محمد ﷺ کی زندگی میں کمزوری اور طاقت دونوں حالتوں میں اخلاق یکساں نظر آتا ہے۔ مکہ کے کمزور اور بے سروسامان محمد ﷺ بھی وہی تھے جو مدینہ کے حکمران محمد ﷺ تھے۔ طائف کے زخمی محمد ﷺ بھی وہی تھے جو فتحِ مکہ کے فاتح محمد ﷺ تھے۔ دشمنوں کے گھیرے میں گھرے ہوئے محمد ﷺ بھی وہی تھے جو ہزاروں جانثاروں کے درمیان کھڑے ہوئے محمد ﷺ تھے۔

طائف کا واقعہ اسی حقیقت کی ایک ایسی تصویر ہے جس کے سامنے انسانی اخلاق بھی سر جھکا دیتا ہے۔

آپ ﷺ دعوتِ حق کے لیے طائف تشریف لے گئے۔ جن سے خیر کی امید تھی، انہی سے اذیت ملی۔ آپ ﷺ کے ساتھ سخت بدسلوکی کی گئی، اور روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کو پتھر مار کر زخمی کیا گیا۔ ایسے موقع پر انسان کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھنا کوئی عجیب بات نہ تھی۔ لیکن محمد ﷺ کا دل عام انسانی دل نہ تھا۔ جب فرشتے نے عرض کیا کہ اگر آپ چاہیں تو ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان کچل دیا جائے، تو آپ ﷺ نے انتقام کے بجائے رحمت کا راستہ اختیار کیا اور امید ظاہر کی کہ ان کی نسلوں میں ایسے لوگ پیدا ہوسکتے ہیں جو اللہ کی عبادت کریں گے۔

یہاں انسانی اخلاق اپنی معمول کی حدوں سے بلند ہو جاتا ہے۔

جس دل پر پتھر برسائے گئے ہوں، وہ اگر بدلے کے بجائے ہدایت کی امید رکھے تو یہ صرف اخلاق نہیں، اخلاق کی معراج ہے۔ اسی لیے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مطالعہ کرتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ محمد ﷺ کا اصل ہتھیار تلوار سے پہلے کردار تھا۔

شاعر نے کہا:

؎ وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

اور قرآن نے اس حقیقت کو ایک اور مقام پر یوں بیان کیا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

”اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔“

یہ رحمت کسی ایک قوم کے لیے نہ تھی۔ یہ انسان کی بنیادی تکریم کی رحمت تھی۔ یتیم اس میں شامل تھا، مسکین اس میں شامل تھا، عورت اس میں شامل تھی، غلام اس میں شامل تھا، پڑوسی اس میں شامل تھا، حتیٰ کہ دشمن بھی اس دائرۂ رحمت سے بالکل خارج نہ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اخلاق کو ایمان سے جدا نہیں کیا۔ صحیح مسلم میں آپ ﷺ نے بہترین مسلمان کی ایک علامت یہ بیان فرمائی کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں۔

یہ جملہ بظاہر مختصر ہے مگر اپنے اندر پورا معاشرتی فلسفہ رکھتا ہے۔ یعنی اسلام صرف یہ نہیں چاہتا کہ تم عبادت گزار ہو؛ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ تمہارے وجود سے دوسرے انسان محفوظ ہوں۔ تمہاری زبان کسی کی عزت نہ چھینے، تمہارا ہاتھ کسی پر ظلم نہ کرے، تمہارا مال کسی کا حق نہ کھائے، تمہارا منصب کسی کمزور کو کچل نہ دے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں اخلاق عبادت کا حصہ بن جاتا ہے۔

محمد ﷺ نے انسان کو مسجد میں خدا کے سامنے جھکنا سکھایا تو بازار میں انسان کے حق کا احترام بھی سکھایا۔ روزہ رکھا تو بھوکے کے درد کو محسوس کرنا سکھایا۔ زکوٰۃ دی تو مال کو معاشرے کی امانت سمجھنا سکھایا۔ حج کیا تو نسل، رنگ اور زبان کی حدوں سے بلند انسانی اجتماع کی تصویر دکھائی۔

نبوی اخلاق کی یہی جامعیت ہے کہ اس میں زندگی کا کوئی گوشہ بے معنی نہیں۔ آپ ﷺ نے گھر کو بھی اخلاق کی درس گاہ بنایا۔ فرمایا:

”تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہو۔“

یہ جملہ اگر معاشرتی زندگی میں حقیقت بن جائے تو خاندان کے بہت سے مسائل اپنی جگہ خود حل ہو جائیں۔

انسان کا اصل اخلاق اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب اسے کوئی اجنبی دیکھ نہ رہا ہو۔ مجلس میں نرم ہونا آسان ہے، گھر میں نرم ہونا مشکل؛ دوسروں کے سامنے مسکرانا آسان ہے، اپنے گھر کے کمزور فرد کی غلطی برداشت کرنا مشکل۔ محمد ﷺ نے اپنے گھر میں اخلاق کی وہ مثال قائم کی جسے حضرت عائشہؓ نے قرآن کے اخلاق کی عملی تصویر قرار دیا۔

آپ ﷺ بچوں سے محبت کرتے تھے۔ ان کے جذبات کو سمجھتے تھے، ان سے سلام کرتے تھے، ان کے ساتھ شفقت فرماتے تھے۔ حضرت انسؓ، جو طویل عرصے آپ ﷺ کے خدمت گزار رہے، آپ ﷺ کے نرم مزاج اور حسنِ سلوک کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ تربیت کا وہ اصول ہے جس میں انسان کو توڑ کر نہیں، جوڑ کر بدلا جاتا ہے۔

آج تعلیم کے میدان میں بچے کی شخصیت، اس کی عزتِ نفس اور اس کے جذبات کے احترام کی بات کی جاتی ہے۔ مگر نبوی تربیت میں یہ اصول پہلے ہی سے موجود تھا۔ آپ ﷺ نے انسان کو اس کی کمزوری کے ساتھ قبول کیا، اس کی غلطی کو اصلاح کا موقع بنایا اور اس کی شخصیت کو تحقیر کے ذریعے کچلنے کے بجائے محبت کے ذریعے سنوارا۔

یتیموں کے ساتھ آپ ﷺ کی شفقت بھی اسی اخلاقی انقلاب کی ایک روشن مثال ہے۔ عرب کے معاشرے میں یتیم کمزور تھا، اس کا مال طاقتور کے لیے آسان شکار تھا؛ قرآن نے اس کے حق کی حفاظت کی اور رسول اللہ ﷺ نے یتیم کی کفالت کو ایسی فضیلت قرار دیا کہ کفالت کرنے والے کو جنت میں اپنے قرب کی بشارت دی۔

یہاں نبوی اخلاق کی ایک اہم خصوصیت سامنے آتی ہے: کمزور کے لیے محض ہمدردی نہیں، حق۔

مسکین کو صرف کھانا دینا نہیں، اس کی عزت بھی محفوظ کرنا۔

یتیم کو صرف مال دینا نہیں، محبت بھی دینا۔

غلام کو صرف آزاد کرنا نہیں، انسان سمجھنا۔

عورت کو صرف تحفظ دینا نہیں، عزت اور حق دینا۔

یہی اخلاقی انقلاب تھا۔

غلاموں کے بارے میں نبوی تعلیم نے عرب کے طبقاتی نظام کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ بلالؓ اس انقلاب کی ایک زندہ علامت ہیں۔ ایک حبشی غلام جسے مکہ کے متکبر سرداروں نے اذیتیں دیں، وہ اسلام کی نئی دنیا میں اس مقام تک پہنچا کہ اس کی آواز اذان کی آواز بن گئی۔ یہ صرف ایک شخص کا بلند ہونا نہ تھا؛ یہ انسان کی عزت کا بلند ہونا تھا۔

نبوی تعلیم نے یہ بتایا کہ انسان کا مرتبہ اس کی جلد کے رنگ سے نہیں، اس کے کردار سے ہے؛ اس کے قبیلے سے نہیں، اس کے تقویٰ سے ہے؛ اس کے مال سے نہیں، اس کی انسانیت سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حجۃ الوداع میں انسانی مساوات اور جان و مال کی حرمت پر جو تعلیمات بیان ہوئیں، انہوں نے بعد کی مسلم اخلاقی و قانونی فکر پر گہرا اثر ڈالا۔

عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک بھی اخلاقِ نبوی ﷺ کا بنیادی حصہ تھا۔ آپ ﷺ نے عورت کو محض معاشرتی ذمہ داری نہیں بلکہ انسانی شخصیت کے طور پر دیکھا۔ بیٹی کی پرورش کو اجر بنایا، بیوی کے حقوق بیان کیے اور ماں کی خدمت کو غیر معمولی مقام عطا کیا۔

اہلِ مدارس سے محبت کیجیے!

محمد تنزیل حیاتی
*٩٦٣١١٤٢٣٣٥

زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے *
زندگی سوزِ جگر ہے، علم ہے سوزِ دماغ *
(علامہ اقبال)

*ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد سب سے اہم اور بنیادی چیز علم دین ہے، جو ہمارے دین وایمان کی بقا ہے، اور ایمان میں نکھار لانے کے لیے اشاعت دین اور علماءِ دین وشرح متین سے تعلق کا ہونا نہایت ضروری ہے، چوں کہ یہی لوگ شریعتِ مطہرہ کے حقیقی محافظ وامین اور علم بردار ہیں، اسی طرح آج مدارس اسلامیہ جہاں بھی ہیں خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے یہ سب اسلام کی حفاظت گاہیں اور اشاعت دین کے مراکز ہیں اور نہ صرف برصغیر بل کہ پوری دنیا میں تحریک مدارس کے گہرے اور وسیع اثرات محسوس کیے جاسکتے ہیں اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مدارس اسلامیہ دین کے قلعے ہیں جنہوں نے بڑے بڑے "راسخ العلوم" کو پیدا کیا ہے، نیز مدارس کے افق پر بے شمار لعل وگہر جنم لیے ہیں اور لے رہے ہیں، رب کعبہ قسم! اگر مدارس نہ ہوتے تو ہمیں صحیح معنوں میں جینے اور مرنے کا طریقہ بھی معلوم نہ ہوتا، عزیز مسلمانو! علم یہ اللہ کی صفت ہے اور اللہ اپنی اس صفت سے اپنے نیک بندوں کو ہی نوازتے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ وہ نائبِ رسول بن کر لوگوں کو رشد وہدایت کی طرف گامزن کریں، غور کیجیے جب عالمی وبا (کرونا وائرس) نے ملک وملت کا شیرازہ بکھیر دیا تھا جس کے زیر اثر ہمارے وطن عزیز میں بھی مسلسل تالابندی لاک ڈاؤن کی وجہ سے مدارس بند ایسے نازک حالات میں جملہ لوگوں کا کیا حشر ونشر ہوا تھا جو کسی سے مخفی نہیں ہے، لیکن اہل مدارس نے ایسے ناگفتہ بہ حالات میں بھی تشنگان علوم نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرابی کے لیے انہماک الی اللہ وتوکل علی اللہ پہ گامزن رہتے ہوئے دل میں فکر اور زبان پہ ذکر کا جام رکھتے ہوئے قال اللہ وقال الرسول کی بازگشت کا "علم" ہاتھ میں لیے ہوئے تطلع تام واطلاع عام نظر دقیق وفکر عمیق وطول خدمت علم وممارست فن وتقیظ وافی وذہن صافی معتاد تحقیق مؤید بتوفیق الٰہی وفہم ربانی تن من دھن و جدوجہد وباعمیق قلب طالبان علوم النبوۃ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مضبوط ومستحکم بنانے کے لیے اور قوم کے بچوں کی دینی تعلیم سے مزین ومنور کرنے کے لیے ہر آن ہر پل ہر گھڑی ہر لمحہ ہر ساعت تدبر وجستجو کیا ہے، علماء کرام ومشائخ عظام نے ہر ادوار میں کہا اور کہہ رہے ہیں کہ اگر مدارس محفوظ ہیں تو تم بھی محفوظ ہو اگر مدارس بند ہے تو تمہارے ایمان کی کوئی گارنٹی نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ تم مسلمان رہو گے بھی یا نہیں؟ غور طلب امر یہ ہے کہ بخارا سمرقند اسپین ہسپانیہ بغداد اندلس کسی زمانہ میں "مدینۃ العلم" تھا بلکہ یوں کہا جائے کہ تاریخ عالم میں وہ اسلامی تہذیب وثقافت اور علم کا مخزن ومنبع اور رشد وہدایت کا گہوارا تھا، لیکن آج یہ شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے *

* آخر کیوں؟ وجہ کیا ہے؟ تاریخی اوراق سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا علماء کرام سے قطع تعلق، آج ہمارا بھی کچھ یہی حال ہے، بلکہ اس سے بھی چار قدم آگے ہو چلے ہیں، دینی تعلیم کے بغیر راہ چلتے لوگوں کو فتویٰ دینے لگتے ہیں، بھلا خود غور کرلیجیے امت کی ادراک کی خاطر کیا حال ہوگا؟ خیر! *

*اس وقت حکومت کی پالیسی اور شرپسند عناصر کے حربے ہیں کہ کسی بھی طرح سے (اَلعیاذ باللہ) مدارس کو بند کردیا جائے تو زیادہ بہتر ہے، یہ وہی سازش ہے جو برطانوی سامراج نے ١٦٠٠ میں ایک منصوبہ تیار کیا تھا فی الوقت ١٠٠٠ سے زائد مدارس کو حکومت ہند نے بند کردیا ہے اور آگے نہیں معلوم کہ کیا ہوگا؟ (اللھم حفظنا) ایک تو موجودہ حالات میں ملک کی صورت یہ ہوگئی ہے تو دوسری طرف گزشتہ دو صدی سے مغربی تعلیم اور ذرائع ابلاغ نے مسلم امہ میں دنیا کو تہ وبالا کردیا ہے حد تو یہ ہے کہ ایک بہت بڑی تعداد اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا کردیا ہے اسلام کے متعلق نئے نئے سوالات ایوان باطل میں کھڑا کیا جاتا ہے یہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے عقلوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور قبضہ بھی کرلیا ہے ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کے زوال کے بعد مصائب و آلام کا سیلاب امنڈ پڑا ہے کفروالحاد نے اس طرح سر ابھارا ہے جو میری سمجھ سے بالاتر ہے جگہ جگہ دشمنان اسلام نے حیاء وشرم، پردہ نکاح وطلاق، بیوی شوہر، جہاد، سود وقمار نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت حتی کے قرآنی آیات پر اعتراضات کھڑے کردیے ہیں مسلمانوں میں ایک غیر معمولی مرعوبیت سی کیفیت پیدا ہو چکی ہے، لہذا! زمانہ کے اس بڑی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہم سب کو "قل فللہ الحجۃ البالغہ" کا مصداق ہونا ازبس ضروری ہے یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ ہمارے ملک میں اس کی کمی دیگر ممالک سے بدرجہا اتم ہے، اسی مناسبت سے علامہ سید ابوالاعلیٰ مودودی رح نے اصلاح معاشرہ مہم کے تحت کہا تھا کہ آپ اپنی اولاد اور گھر والوں کی اصلاح پر خواص توجہ دیں جنکے لیے آپ کو کھانے پینے اور پہنے کی فکر ہوتی ہے ان کے لیے آپ کو سب سے بڑھ کر فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ وہ جہنم کا ایندھن نہ بن نے پائے، والدین! اپنی اولادوں کو مخلوط تعلیم دینے سے گریز کریں بلکہ پہلے شریعت کا علم دیں بعدہ دنیاوی علم چوں کہ تعلیم ہی ایک ایسی نعمت عظمیٰ ہے جس سے انسان صراط مستقیم پر صحیح طور چل سکتا ہے باطل کی یلغار اور ایوبی کی للکار بن کر دنیا کا مقابلہ کرسکتا ہے فی زمانہ تعلیم کے بغیر ہر چیز نامکمل ہے، ابھی میں نے کئی مقامات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہیں (١) والدین اپنی اولاد پر کڑی نظر رکھیں (٢) اولاد کی دینی فکر کریں (٣) عصری علوم سے مزین کریں (٤) کینہ بغض حسد جلن ختم کریں (٥) موت سے قبل موت کی تیاری کریں (٦) غیر مسلم کو اپنا ہرگز نہ سمجھیں (٧) اپنی تیاری از خود کریں، (٨) علماء سے اپنا تعلق قائم کریں (٩) اعضاء وجوارح کی صحیح تقویت کے لیے ولی اللہ کا انتخاب کریں (١٠) شعائر اسلام کی حفاظت کریں (١١) منافقوں کی شناخت کے بعد اس سے دوری اختیار کریں،،، بالا امور کی پاسداری کیجیے گا تو رب عزوجل نور ایمان کی حلاوت سے قلب کو منور فرمائے گا۔ حضرت مولانا سید نظام الدین قاسمی رح سابق جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے فرمایا ہندوستان میں دین اسلام کو ماننے والوں سے اسلام کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد ووحدت پوری طاقت سے برقرار رکھیں کہیں سے انتشار داخل نہ ہونے دیں تمام علماء کا احترام کریں خواہ وہ کسی بھی مسلک کے ہوں علم وعقل سے اپنی زندگی کو مزین ومنور کریں۔ کیوں کہ علم وعقل کے بغیر تمیز کی قوت ہی نہیں پیدا ہو سکتی! *

نیپال سیلاب کی زد میں

قارئین کرام: تمام حمد وستائش اس رب دو جہاں کو زیبا ہے جس نے اس کارخانہ عالم کو وجود بخشا، زمین کو بچھایا، آسمان کو بلند کیا پہاڑوں کو میخیں بنایا اور اس کائنات کے نظام کو قائم کیا مگر ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ دنیا دار الامتحان ہے اور کبھی کبھی قدرت اپنے جلال کا ایسا منظر دکھاتی ہے کہ انسان حیرت و بے بسی کی تصویر بن جاتا ہے۔ انہی دل دہلا دینے والے مناظر میں سے ایک منظر جو حال ہی میں ٢٦ اگست ٢٠٢٦ کو ہمارے ملک نیپال میں دیکھنے کو ملا ہے جہاں یک لخت آنے والا ہولناک سیلاب نے پل بھر میں زندگی کے معمولات کو درہم برہم کر دیا ہے۔ پانی کی طغیانی نے گھروں، سڑکوں اور پلوں کو منہدم کر دیا ہے اور متعدد خاندانوں کو شدید مشکلات سے دوچار کر دیا۔ جو لوگ چند لمحے پہلے اپنے گھروں میں سکون سے زندگی گزار رہے تھے، اچانک ایسی صورتِ حال میں گرفتار ہو گئے جہاں انسان کی تمام تدبیریں بے بس دکھائی دینے لگی۔ کتنی ہی بستیوں کو نیست ونابود کر دیا اور بہت سارے افراد جاں بحق ہو گئے یہ محض ایک سیلاب نہیں بلکہ رب قہار کی طرف سے ایک ایسا عذاب اور پیغام ہے جس سے دنیا والوں کو عبرت حاصل کر لینا اس کے عاقل وذی شعور ہونے کی دلیل ہے کیونکہ رب کریم نے اپنی پائدار کتاب میں اپنا قول تحریر فرمایا ہے وانشأنغرقهم فلا صريخ لهم ولاهم ينقذون۔ اور اگر ہم چاہیں تو تو انہیں غرق کر دیں پھر نہ ان کی چیخ سننے والا ہو گا اور نہ ان کو چھڑایا جا سکے گا۔ مذکورہ آیت سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ اگر اللہ رب العزت کسی پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو کوئی اس کا مددگار نہیں ہوتا لہذا اولاد آدم کو اپنی طاقت وقوت پر غرور نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان اللہ علی کل شیء قدیر یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ ملک نیپال اور اس کے باشندوں کو ہر قسم کی آفت سے محفوظ فرمائے، سیلاب میں جاں بحق ہونے والوں کی مغفرت فرمائے، زخمیوں کو صحت عطا فرمائے، لاپتا افراد کو اپنے اہلِ خانہ سے ملائے اور تمام امت مسلمہ کی جان، مال، عزت و آبرو اور ایمان کی حفاظت فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

سپردِ قرطاس انیس الرحمن جمالی

نیپال میں آنے والی شدید تباہی اور لرزہ خیز سیلاب پر ایک چھوٹی سی کاوش پیش خدمت ہے

محمد عثمان ندوی

ڈوب کر رہ گئے گنگناتے شہر

سیلاب

پل میں پرلے ہوئے لہلہاتے شہر
ڈوب کر رہ گئے گنگناتے شہر
ہائے کیا ہوگیا مجھکو کوہ و دمن
خاک میں مل گئے جگمگاتے شہر
گاتی ندیوں پہ جیسے خمار آگیا
بجھ گئے سب دئے جھلملاتے شہر
کتنی تھیں رونقیں بزم احباب میں
کھو گئے سب یہاں گاتے گاتے شہر
آہ منظر بڑا ہی کربناک تھا
قبر میں سو گئے چہچہاتے شہر
نعش بہتی رہیں مل نہ پایا کفن
جیسے خاموش ہیں گنگناتے شہر
کل جہاں زندگی مسکراتی رہی
کیسے ویراں ہوئے مسکراتے شہر
حال "رسوا" کہوں یا "نواکوٹ" کا
تھم گئی زندگی غم اٹھاتے شہر
آہ و زاری تری دیکھ سکتا نہیں
قمقموں کی جگہ ٹمٹماتے شہر
حال "ترشولی" لکھنا ہے مشکل بہت
داستاں کہہ گئے جاتے جاتے شہر
رحم کر اے خدا حالت زار پر
ہار بیٹھے ہیں جاں تلملاتے شہر

نیپال پکار رہا ہے، کیا ہم خاموش رہیں گے؟

اسلم خان ابنِ یونس
دوحہ - قطر

نیپال پکار رہا ہے، کیا ہم خاموش رہیں گے؟
ایک سوال جو ہر نیپالی مسلمان کو اپنے ضمیر سے کرنا ہوگا

ذرا ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیجیے...
اور تصور کیجیے کہ ایک ماں اپنے بچے کو سینے سے لگائے کھڑی ہے، مگر پانی اس کے قدموں کے نیچے سے زمین کھینچ رہا ہے۔ ایک باپ اپنے گھر کو اپنی آنکھوں کے سامنے بہتا ہوا دیکھ رہا ہے۔ ایک بچہ اپنے ماں باپ کو پکار رہا ہے، مگر جواب میں صرف سیلابی پانی کا شور ہے۔
کسی کے گھر کا آنگن مٹی میں دفن ہو چکا ہے، کسی کی زندگی بھر کی کمائی چند لمحوں میں بہہ گئی ہے، اور کسی کے پاس بچا ہے تو صرف وہ لباس جو اس وقت اس کے جسم پر ہے۔ کہیں کوئی اپنے اجڑے ہوئے گھر کو دیکھ کر بے بسی کے عالم میں کھڑا ہے، کہیں کوئی اپنے پیاروں کو تلاش کر رہا ہے، اور کہیں معصوم بچے اپنے والدین کے سائے سے محروم ہو چکے ہیں۔
اب ذرا اپنے دل سے پوچھئے... کیا ہم صرف یہ منظر دیکھ کر آگے بڑھ جائیں؟
کیا ہم صرف ایک افسوس کی پوسٹ لکھیں گے؟ کیا ہم صرف چند دعائیہ جملے لکھ کر سمجھ لیں گے کہ ہمارا فرض ادا ہو گیا؟
میرا دل کہتا ہے: نہیں

یہ پکار کسی ایک مذہب کی نہیں، کسی ایک جماعت کی نہیں، کسی ایک برادری کی نہیں۔
یہ انسانیت کی پکار ہے۔
اور میں سب سے پہلے اپنے اُن مسلمان بھائیوں سے مخاطب ہوں جن کے دل میں ایمان بھی ہے، انسانیت بھی ہے اور اپنے وطن سے محبت بھی۔
میرے بھائیو! آج ہمارا امتحان ہے
اہلِ غزہ کا درد ابھی ہمارے سینوں سے اترا بھی نہیں ہے کہ اپنے ہی ملک کے اپنے بھائی بہنوں کا یہ درد ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا۔
ہم غزہ نہیں جا سکے۔ ہم فلسطین نہیں پہنچ سکے۔ ہم وہاں اپنے ہاتھوں سے کسی زخمی کا زخم نہیں دھو سکے، کسی بھوکے کو کھانا نہیں کھلا سکے، کسی بے گھر خاندان کے لیے چھت نہیں بنا سکے۔
لیکن...
اللہ نے ہمیں ایک اور موقع دیا ہے۔
یہ موقع ہمارے اپنے ملک میں ہے۔ یہاں ہماری اپنی زبان بولنے والے لوگ ہیں۔ یہاں وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ ہم نے ایک ہی مٹی میں جنم لیا ہے، ایک ہی ہوا میں سانس لی ہے، ایک ہی وطن کا نام اپنے سینے پر سجایا ہے۔
تو پھر ہم ان تک کیوں نہ پہنچیں؟
حکومت کی مدد اپنی جگہ... مگر ہمارا ہاتھ کہاں ہے؟
ہم حکومت کے امدادی اکاؤنٹ میں رقم جمع کر رہے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے، اور حکومت کی کوششوں کو بھی ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

لیکن ایک سوال بار بار دل میں اٹھتا ہے:
جو رقم ہم آج جمع کر رہے ہیں، وہ مستحق تک کب پہنچے گی؟
اور اگر کسی ایسے خاندان کو آج، اسی لمحے، کھانے، پانی، کپڑے، دوا یا خیمے کی ضرورت ہے تو کیا ہم صرف اس امید پر بیٹھے رہیں کہ سرکاری امداد پہنچے گی؟
نہیں!
حکومت کو اپنا کام کرنے دیں، لیکن ہمیں اپنا کام نہیں بھولنا چاہیے۔
ہمیں وہاں جانا چاہیے جہاں ضرورت ہے۔
ہمیں وہاں پہنچنا چاہیے جہاں کیمرے نہیں پہنچ رہے۔ ہمیں ان ہاتھوں کو تھامنا چاہیے جو مدد کے لیے اٹھے ہوئے ہیں۔
کیونکہ کبھی کبھی ایک ٹرک امداد سے زیادہ قیمتی ایک انسان کا وقت، ایک ہاتھ کا سہارا اور ایک لفظِ تسلی ہوتا ہے۔
دنیا آگے بڑھ رہی ہے... کیا ہم پیچھے رہیں گے؟
آج دنیا کے مختلف ممالک نیپال کے مشکل وقت میں اس کے ساتھ کھڑے ہیں۔
بھارت نے تقریباً ۵۰ ٹن امدادی سامان بھیجا۔ امریکہ نے اپنی امداد بڑھا کر تقریباً ۳۶ لاکھ امریکی ڈالر کی۔ برطانیہ نے ۵۰ لاکھ پاؤنڈ، جنوبی کوریا نے ۱۰ لاکھ امریکی ڈالر، جبکہ یورپی یونین نے ۲۰ لاکھ یورو کی ہنگامی انسانی امداد کا اعلان کیا۔ اقوامِ متحدہ کی جانب سے بھی ۲۵ لاکھ امریکی ڈالر کی ہنگامی امداد فراہم کی گئی ہے۔
مسلم دنیا بھی خاموش نہیں رہی۔
متحدہ عرب امارات نے ایک کروڑ امریکی ڈالر کی امداد کا اعلان کیا اور ۸۳ ٹن امدادی سامان نیپال روانہ کیا۔ قطر نے بھی ہنگامی انسانی امداد بھیجی، جبکہ پاکستان کی جانب سے بھی امدادی تعاون کا اعلان کیا گیا۔
ہم ان تمام ممالک اور دنیا بھر کے ان تمام انسانوں کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں جنہوں نے نیپال کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھا۔
مختلف ذرائع سے اب تک نیپال کے سیلاب سے متاثرہ لوگوں کے لیے چار کروڑ دس لاکھ امریکی ڈالر سے زیادہ امدادی رقم جمع ہونے کی اطلاعات ہیں، جو تقریباً ۶ ارب ۲۱ کروڑ نیپالی روپے بنتی ہے۔
تاہم یہ مجموعی امدادی رقم ہے، اسے صرف غیر ملکی حکومتوں کی امداد قرار دینا درست نہیں ہو گا۔ لیکن یہاں ایک سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے:
اگر وہ لوگ، جو نیپالی بھی نہیں ہیں، ہمارے لوگوں کے لیے اپنا مال اور وسائل دے سکتے ہیں... تو ہم نیپالی ہو کر کیوں پیچھے رہیں؟ یہ سوال آج ہمیں اپنے دل سے کرنا ہو گا۔
ہماری زکوٰۃ صرف ایک رقم نہیں، کسی کی زندگی کی امید بن سکتی ہے
میرے اُن بھائیوں سے بھی میری مؤدبانہ گزارش ہے جن پر زکوٰۃ فرض ہے:
آج اپنی زکوٰۃ کے مستحق لوگوں کو تلاش کیجیے۔ اور جن پر زکوٰۃ فرض نہیں، وہ اپنے صدقات، عطیات اور خیرات کے ذریعے آگے بڑھیں۔ لیکن ایک بات یاد رکھیے
مدد دیتے وقت مذہب مت پوچھیے، ضرورت دیکھیے۔

یہ نہ پوچھیے کہ وہ ہندو ہے یا مسلمان۔ یہ نہ پوچھیے کہ وہ بدھ ہے یا عیسائی۔ بس یہ دیکھیے کہ وہ ایک انسان ہے اور مصیبت میں ہے۔
ہم اُس نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّتی ہیں، جنہوں نے ایک بوڑھی عورت کا سامان خود اپنے سر پر اٹھایا اور اسے اس کی منزل تک پہنچایا۔ ہم اُس عظیم رہبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں جنہوں نے انسانیت کی خدمت کو صرف ایک نصیحت نہیں، بلکہ اپنے عمل سے زندہ کر کے دکھایا۔
اور ہم اُس عظیم خلیفہ، حضرت عمر فاروقؓ کے پیروکار ہیں، جو رات کی تاریکی میں اپنی پیٹھ پر آٹے کی بوری اٹھا کر ضرورت مندوں کے گھر تک پہنچاتے تھے، تاکہ کسی بھوکے کے گھر کا چولہا جل سکے۔ ایک مسلمان اپنے آس پاس کسی انسان کو بھوکا، مجبور یا مصیبت زدہ دیکھ کر بے فکر نہیں رہ سکتا۔
تو پھر آج اگر ہمارے سامنے کوئی مصیبت زدہ انسان مدد کے لیے کھڑا ہے، تو ہم کیسے پیچھے ہٹ سکتے ہیں؟
اگر ایک کمبل کسی بچے کو سردی سے بچا سکتا ہے تو وہ کمبل دے دیجیے۔
اگر ایک پیکٹ راشن کسی خاندان کا ایک دن سنوار سکتا ہے تو وہ راشن پہنچا دیجیے۔
اگر ایک دوا کسی زخمی کے درد کو کم کر سکتی ہے تو وہ دوا دے دیجیے۔
کسی ماں کے آنسو پونچھ دیجیے، کسی باپ کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیجیے، کسی بہن کو دو لفظ تسلی کے کہہ دیجیے، کسی بلکتے بچے کو اپنی گود میں اٹھا لیجیے۔
اور اگر دینے کو کچھ نہیں تو کم از کم چند ایسے الفاظ بول دیجیے جو ٹوٹے ہوئے دل کو یہ

تم اکیلے نہیں ہو، ہم تمہارے ساتھ ہیں
کیونکہ کبھی کبھی انسان کو روٹی سے پہلے انسانی ہمدردی کی ضرورت ہوتی ہے۔
اور اگر آپ کے پاس صرف چند سو روپے ہیں تو یہ نہ سوچیے کہ میری مدد بہت کم ہے۔
یاد رکھیے، سمندر بھی قطروں سے بنتا ہے۔
ہم غزہ نہیں جا سکے، لیکن نیپال تو ہمارے سامنے ہے
میرے بھائیو!
ہم میں سے بہت سے لوگ اہلِ غزہ کے لیے کچھ کرنا چاہتے تھے۔ ہم ان کے دکھ میں شریک ہونا چاہتے تھے، لیکن حالات نے ہمیں وہاں پہنچنے کا موقع نہیں دیا۔
لیکن آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے ہی ملک میں، اپنے ہی لوگوں کے درمیان، اپنے ہی بھائیوں اور بہنوں کے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھنے کا ایک موقع دیا ہے۔
اس موقع کو ضائع نہ کریں۔
کل ہماری آنے والی نسلیں ہم سے پوچھیں گی:
جب نیپال کے لوگ سیلاب میں گھرے ہوئے تھے، جب گھر اجڑ رہے تھے، جب مائیں اپنے بچوں کو اور بچے اپنے والدین کو کھو رہے تھے، جب لوگ مدد کے لیے پکار رہے تھے، تو آپ نے کیا کیا؟
میں چاہتا ہوں کہ ہماری آنے والی نسلیں ہم پر فخر کریں۔
ہم انہیں بتا سکیں کہ ہم نے صرف افسوس نہیں کیا تھا، ہم نے صرف سوشل میڈیا پر پوسٹ نہیں لکھی تھی، بلکہ ہم میدان میں اترے تھے، ہم نے اپنے بھائیوں کا ہاتھ تھاما تھا، ہم نے اپنے مال سے مدد کی تھی اور ہم ان کے آنسو پونچھنے پہنچے تھے۔
یقیناً تاریخ لکھی جائے گی۔
اور تاریخ یہ لکھے کہ نیپال کی اس مشکل گھڑی میں مسلمان ہمدرد، غم گسار، فیاض اور انسانیت کے محافظ بن کر اپنے ہم وطنوں کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔

آج تاریخ ہمیں آواز دے رہی ہے
میرے بھائیو!
یہ وقت اختلافات کا نہیں۔
یہ وقت بحثوں کا نہیں۔
یہ وقت ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا نہیں۔
یہ وقت اٹھنے کا ہے۔
یہ وقت میدان میں اترنے کا ہے۔ یہ وقت اپنے گھروں سے راشن نکالنے کا ہے۔ یہ وقت اپنے مال سے حصہ نکالنے کا ہے۔ یہ وقت اپنے نوجوانوں کو منظم کرنے کا ہے۔ یہ وقت ڈاکٹروں، رضاکاروں، تاجروں، طلبہ اور ہر صاحبِ استطاعت انسان کو ایک جگہ جمع کرنے کا ہے۔
آیئے، ہم امداد کا ایسا نظام بنائیں جو صرف اعلان نہ ہو بلکہ مستحق کے دروازے تک پہنچے۔
آیئے، ہم کسی ماں کے آنسو پونچھیں۔ کسی بچے کو گود میں اٹھائیں۔ کسی بوڑھے کو سہارا دیں۔ کسی بے گھر خاندان کے لیے خیمہ لگائیں۔
اور کسی ایسے انسان کو یہ احساس دلائیں کہ "تم اکیلے نہیں ہو، تمہارا نیپال تمہارے ساتھ ہے۔" آخر میں صرف ایک سوال...
اگر آج کوئی غیر نیپالی ہمارے بھائیوں کے لیے اپنا مال دے سکتا ہے... اگر دور بیٹھا ہوا کوئی انسان ہمارے درد کو محسوس کر سکتا ہے...
تو پھر ہم، جو اسی مٹی کے بیٹے ہیں، اسی وطن کے باشندے ہیں— ہم کیوں نہیں؟ آیئے!
اس موقع کو ضائع نہ کریں۔ شاید زندگی ہمیں دوبارہ ایسا موقع نہ دے کہ ہم اپنے ہی ملک کے کسی مجبور انسان کے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھ سکیں۔ ہم غزہ نہیں جا سکے مگر نیپال تو ہمارے سامنے ہے آیئے، اس بار صرف تماشائی نہ بنیں آیئے، تاریخ کا حصہ بنیں اور جب کل تاریخ لکھی جائے تو اس کے ایک صفحے پر یہ بھی لکھا ہو
نیپال کی اس آزمائش کی گھڑی میں مسلمان خاموش نہیں بیٹھے تھے؛ وہ اپنے ہم وطنوں کے آنسو پونچھنے کے لیے میدان میں اتر آئے تھے۔
یہ وقت صرف دعا کا نہیں...
دعا کے ساتھ عمل کا وقت ہے۔

"تری آنکھوں میں جو اک قطرہ چھپا ہے میں ہوں"

مجید عارف نظام آبادی
ریاض، سعودی عرب
majeedaarif@gmail.com

شاعری دراصل لفظوں کا ہنر نہیں، احساس کو لفظ عطا کرنے کا فن ہے۔ ہر شخص کے پاس جذبات ہوتے ہیں، ہر دل میں ایک داستان سانس لیتی ہے، ہر آنکھ میں کچھ خواب اور کچھ نمی چھپی ہوتی ہے۔ مگر شاعر وہ ہے جو اس خاموش واردات کو زبان دے دے، جو دل کی دھڑکن کو مصرع بنا دے اور آنکھ کے ایک قطرے میں ایک پوری کائنات دریافت کر لے۔
گواہ ہندوستان سے تعلق رکھنے والی فوزیہ رباب اسی قبیلے کی معروف شاعرہ ہیں۔ ان کا یہ مصرع
"تیری آنکھوں میں جو اک قطرہ چھپا ہے، میں ہوں"
ان کے شعری مزاج کا محض ایک خوب صورت نمونہ نہیں بلکہ ان کے فن کی ایک علامتی شناخت بھی ہے۔ "قطرہ" یہاں صرف آنسو نہیں 'یہ ذات، یاد، محبت، ہجر، احساس اور پوشیدہ درد کا استعارہ ہے۔ شاعرہ نے اپنی موجودگی کو کسی عظیم اور پر شکوہ شے سے نہیں، بلکہ آنکھ کے ایک خاموش قطرے سے تعبیر کیا ہے۔ یہی انتخاب ان کے شعری شعور کی نزاکت اور ان کے تخلیقی مزاج کی انفرادیت کو آشکار کرتا ہے۔
فوزیہ رباب کی شاعری کا سب سے دل آویز پہلو یہ ہے کہ ان کے یہاں جذبہ لفظ پر غالب آتا ہے، مگر لفظ جذبے کو بے قابو نہیں ہونے دیتا۔ یہی توازن شعر کو محض جذباتی اظہار سے اٹھا کر فن کی سطح تک پہنچاتا ہے۔
ان کے ہاں محبت ہے تو اس میں خود سپردگی بھی ہے اور خود شناسی بھی، درد ہے تو اس میں شور نہیں، ایک مہذب سی خاموشی ہے، ہجر ہے تو اس میں ماتم نہیں، ایک گہری داخلی کسک ہے۔
ان کی شاعری کو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ شاعرہ اپنے قاری سے خطاب نہیں کرتیں، بلکہ اس کے دل کے اندر بیٹھ کر اس سے گفتگو کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا شعر اجنبی محسوس نہیں ہوتا۔ وہ قاری کو اپنے تجربے کا تماشائی نہیں بناتیں بلکہ اسے اس تجربے کا شریک بنا لیتی ہیں۔ یہی فوزیہ رباب کی شعری کشش کا حسن ہے۔
تیری آنکھوں میں جو اک قطرہ چھپا ہے، میں ہوں جس نے چھپ چھپ کے ترا درد سہا ہے، میں ہوں ایک پتھر کہ جسے آنچ نہ آئی تو ہے
ایک آئینہ کہ جو ٹوٹ چکا ہے، میں ہوں
جس کو ہنس ہنس کے ہمیشہ ہی ہے ٹالا تو نے
جس نے رو رو کے تجھے اپنا کہا ہے، میں ہوں
معاصر شاعری میں ایک طرف لفظوں کی نمائش اور دوسری طرف خیال کی پیچیدگی کا رجحان نمایاں ہے۔ ایسے ماحول میں فوزیہ رباب کا شعری رویہ سادگی کی طرف مراجعت کرتا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن یہ سادگی سطحی یا سادہ لوحانہ نہیں ہے اس کے پس پشت ایک حساس تخلیقی شعور کارفرما ہے۔
ان کے ہاں عام لفظ، غیر معمولی کیفیت کا حامل ہو جاتا ہے۔ آنکھ، آنسو، خاموشی، یاد، تنہائی، انتظار اور محبت جیسے مانوس الفاظ جب ان کے شعری پیکر میں داخل ہوتے ہیں تو محض لغوی معنی نہیں رکھتے بلکہ اپنے ساتھ ایک پورا جذباتی

فوزیہ رباب:
نسائی احساسات کی معتبر آواز

منظرنامہ لے آتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں شاعری روزمرہ زبان سے بلند ہو کر احساس کی زبان بن جاتی ہے۔
فوزیہ رباب کے ہاں لفظ چیختے نہیں، سرگوشی کرتے ہیں۔
وہ اپنے قاری پر کیفیت مسلط نہیں کرتیں، اسے کیفیت تک پہنچنے کا راستہ دکھاتی ہیں۔
فوزیہ رباب کی شاعری کو نسائی احساس کی لطیف تہوں سے الگ کر کے دیکھنا بھی ممکن نہیں۔ ان کے شعری اظہار میں ایک ایسی داخلی نرمی محسوس ہوتی ہے جو محبت کو محض رومان نہیں رہنے دیتی بلکہ اسے انسانی وجود کی ایک بنیادی ضرورت بنا دیتی ہے۔
ان کے یہاں عورت محض عورت نہیں، وہ محسوس کرنے والی، یاد رکھنے والی، انتظار کرنے والی اور اپنے اندر ایک مکمل کائنات رکھنے والی شخصیت ہے۔
یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں محبت کا تصور یک رخی نہیں۔ محبت کبھی قربت ہے، کبھی فاصلہ کبھی لمس ہے، کبھی یاد، کبھی مسکراہٹ ہے، کبھی آنکھ میں ٹھہرا ہوا آنسو۔
اور شاید اسی لئے ان کا شعر قاری کے دل میں دیر تک رہتا ہے۔ کیونکہ وہ محبت کو بیان نہیں کرتیں، محبت کی کیفیت پیدا کرتی ہیں۔
"قطرہ" اردو شاعری میں کوئی نیا استعارہ نہیں۔ آنسو، شبنم، خون، دریا اور قطرہ۔ یہ سب ہماری کلاسیکی اور جدید شعری روایت میں بارہا برتے جا چکے ہیں۔ مگر کسی مانوس استعارے کی معنوی تازگی اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ شاعر اسے کس نئے زاویے سے دیکھتا اور برتتا ہے۔
فوزیہ رباب کا کمال یہ ہے کہ وہ 'قطرے' کو صرف آنسو کے طور پر نہیں دیکھتیں، بلکہ وہ اسے ذات کی علامت بنا دیتی ہیں۔ "میں ہوں" یہ الفاظ پورے مصرعے کو ایک نئی معنوی جہت عطا کرتے ہیں۔ شاعرہ گویا کہتی ہیں کہ میری شناخت کسی اعلان میں نہیں، کسی شور میں نہیں، بلکہ اس پوشیدہ نمی میں ہے جسے صرف ایک حساس نگاہ محسوس کر سکتی ہے۔
یہاں "میں" بھی محض شاعرہ کی ذات نہیں رہتی، یہ ہر اس شخص کی آواز بن جاتی ہے جس کی زندگی میں کوئی ایسا احساس موجود ہے جسے وہ دنیا سے چھپائے ہوئے ہے۔ یہی شعر کی اصل قوت ہے کہ شاعر کا ذاتی تجربہ اجتماعی احساس میں تبدیل ہو جائے۔
فوزیہ رباب کے شعری مزاج کا ایک اور قابلِ توجہ پہلو درد کی تہذیب ہے۔ ان کے یہاں درد نمائش نہیں بنتا۔ وہ اپنے دکھ کو بازار میں نہیں لے جاتیں، اسے شعر کے پردے میں رکھتی ہیں۔ یہی پردہ ان کے اظہار کو وقار عطا کرتا ہے۔ ایک اچھا شاعر اپنے زخم کو صرف دکھاتا نہیں، اسے معنی دیتا ہے۔
فوزیہ رباب بھی یہی کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ ان کے ہاں دکھ ذاتی رہتے ہوئے بھی اجتماعی ہو جاتا ہے، تنہائی اپنی ذات سے نکل کر قاری کی تنہائی سے مل جاتی ہے اور آنسو محض نمی نہیں رہتا بلکہ ایک ایسی زبان بن جاتا ہے جسے ہر حساس انسان سمجھ سکتا ہے۔
فوزیہ رباب کی شاعری کی تاثیر کا اصل سرچشمہ شاید یہی ہے کہ ان کے لفظ ذہن سے پہلے دل پر دستک دیتے ہیں۔
یہ شاعری قاری سے فلسفیانہ مباحث کا تقاضا نہیں کرتی۔ وہ اسے اپنے احساس کے دروازے پر لے جاتی ہے۔ قاری کبھی کسی بھولی ہوئی محبت کو یاد کرتا ہے، کبھی کسی بچھڑے ہوئے شخص کی آواز سنتا ہے، کبھی اپنی ہی آنکھ میں چھپے ہوئے اس قطرے کو محسوس کرتا ہے جسے مدت سے نام نہیں دیا تھا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں شاعر اور قاری کے درمیان فاصلہ مٹ جاتا ہے۔
شاعرہ کا 'میں' 'قاری کا' "میں" بن جاتا ہے۔
اور یہی کسی بھی تخلیق کار کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اردو شاعری کی وسیع روایت میں ہر دور نے ایسی آوازیں پیدا کی ہیں جنہوں نے اپنی انفرادیت بلند آہنگی سے نہیں بلکہ احساس کی صداقت سے قائم کی۔ فوزیہ رباب کی شاعری کو بھی اسی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔
ان کا شعری لہجہ نرم ہے، مگر کمزور نہیں، جذباتی ہے، مگر بے مہار نہیں، رومان پرور ہے، مگر سطحی نہیں۔
وہ محبت کو لفظ دیتی ہیں، مگر محبت کے ساتھ اس کی اداسی، اس کی خاموشی اور اس کی معنویت کو بھی محفوظ رکھتی ہیں۔ ان کی شاعری میں دل کی دھڑکن اور لفظ کی شائستگی ایک ساتھ چلتی ہے۔ یہی امتزاج ان کے فن کو دل آویز بناتا ہے۔
فوزیہ رباب ان شاعرات میں سے ہیں جو قاری کو چونکانے کے بجائے ان کے دل کو چھو لینے کا ہنر جانتی ہیں۔ ان کے اشعار ذہن پر حملہ نہیں کرتے، دل میں اترتے ہیں۔ وہ اپنے کلام سے کوئی بڑا دعویٰ نہیں کرتیں، بس ایک احساس رکھ دیتی ہیں اور پھر قاری خود اس احساس کا مفہوم دریافت کرنے لگتا ہے۔
شاید اسی لیے ان کی شاعری پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی خاموش شام میں اچانک کسی نے دل کے بند دریچے پر آہستہ سے دستک دی ہو۔ اور پھر وہی ایک قطرہ...
آنکھ میں ٹھہرا ہوا۔
یاد میں روشن۔ درد میں نم۔ محبت میں زندہ۔
"تیری آنکھوں میں جو اک قطرہ چھپا ہے، میں ہوں"
یہ مصرع فوزیہ رباب کے شعری سفر کا ایک خوب صورت استعارہ بھی ہے اور ان کی شخصیت کا ایک لطیف تعارف بھی۔
وہ لفظوں کی ہجوم آفرینی سے نہیں، احساس کی خوشبو سے پہچانی جاتی ہیں۔
ان کی شاعری ہمیں یہ یقین دلاتی ہے کہ کبھی کبھی پوری داستان کہنے کے لیے ایک آنسو کافی ہوتا ہے، پوری محبت بیان کرنے کے لیے ایک نگاہ کافی ہوتی ہے اور پوری شخصیت کا تعارف دینے کے لیے صرف ایک مصرع کافی ہوتا ہے۔
فوزیہ رباب بھی شاید ایسی ہی شاعرہ ہیں۔ جو شعر نہیں کہتیں، دل کے کسی خاموش گوشے میں ایک چراغ رکھ دیتی ہیں۔
ان کا مجموعۂ کلام "آنکھوں کے اس پار" ادبی دنیا میں پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔
نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیں:

غزل

تم بھی اب شہر سے ڈر جاتے ہو حد کرتے ہو
دیکھ کر مجھ کو گزر جاتے ہو حد کرتے ہو
نین تو یوں ہی تمہارے ہیں بلا کے قاتل
اس پہ تم روز سنور جاتے ہو حد کرتے ہو
میری آنکھوں سے بھی آنسو نہیں گرنے پاتے
میری آنکھوں میں ٹھہر جاتے ہو حد کرتے ہو
میرے جذبات میں تم بہہ تو لیا کرتے ہو
کیسے دریا ہو اتر جاتے ہو حد کرتے ہو
میں بھی ہر روز تری مان لیا کرتی ہوں
تم بھی ہر روز مکر جاتے ہو حد کرتے ہو
تیری خوشبو کو زمانے سے چھپاؤں کیسے
تم جو چپ چاپ بکھر جاتے ہو حد کرتے ہو
تم تو کہتے تھے رباب اب میں تری مانوں گا
پھر بھی تم دیر سے گھر جاتے ہو حد کرتے ہو

غزل

مجھ کو تو کچھ اور دکھا ہے آنکھوں کے اس پار
تم بتلاؤ آخر کیا ہے آنکھوں کے اس پار
سپنا کوئی بکھر چکا ہے آنکھوں کے اس پار
دریا جیسے ٹوٹ پڑا ہے آنکھوں کے اس پار
لکھوں تیرا نام پڑھوں تو سانول تیرا نام
تیرا ہی بس نام لکھا ہے آنکھوں کے اس پار
بینائی تیرے رستوں کو تھام کے بیٹھی ہے
تیرے گھر کا در بھی وا ہے آنکھوں کے اس پار
آنکھوں کے اس پار تو جیسے دریا ٹھہر گیا
لیکن صحرا بکھر گیا ہے آنکھوں کے اس پار
دن تعبیر مری چوکھٹ پر لا کر رکھ دے گا
رات نے تیرا خواب بنا ہے آنکھوں کے اس پار
اس کو جاتا دیکھ رہی ہیں ہنس ہنس کر یہ آنکھیں
جانے کیا کچھ بیت رہا ہے آنکھوں کے اس پار
اب تو آ کر دیکھے گا تو روتا جائے گا
ہم نے ایسا بین کیا ہے آنکھوں کے اس پار
بس اک خواب کی میت ہے اور ماتم داری ہے
ہم نے جا کر دیکھ لیا ہے آنکھوں کے اس پار
ہم نے تیری آنکھوں میں رہ کر محسوس کیا
کتنا درد چھپا رکھا ہے آنکھوں کے اس پار
اب دنیا کے چہروں میں تجھ کو میں کیا دیکھوں
دل نے تجھ کو دیکھ لیا ہے آنکھوں کے اس پار
کیوں نہ ہر اک جانب اب شہزادے کی صورت ہو
ہم نے اس کو نقش کیا ہے آنکھوں کے اس پار
تجھ کو تو آباد لگا کرتی ہیں یہ آنکھیں
ویرانی کا شہر بسا ہے آنکھوں کے اس پار
اوجھل اوجھل رہنے والا میری آنکھوں سے
مجھ سے کتنی بار ملا ہے آنکھوں کے اس پار
آنکھوں سے تو نکل پڑا ہے پل بھر میں لیکن
آنسو کا سامان بچا ہے آنکھوں کے اس پار
تجھ کو بھی سرشار نہ کر دیں آنکھیں تو کہنا
ایک طلسم ہوش ربا ہے آنکھوں کے اس پار
پتھر ہو کر رہ جائیں گی آنکھیں موند رباب
اب بھی اس کا خواب پڑا آنکھوں کے اس پار

www.qalampubl.com
کے ایڈیٹر وسی ای او ہیں

• انسان اور فطرت کا المیہ (پگھلتے گلیشیئر، اسباب اور تدارک کی راہ)

۔ مسعود محبوب خان (ممبئی)
۰۹۴۲۲۷۲۴۰۴۰

ہمالیہ میں ایک گلیشیئر کا بڑا حصّہ ٹوٹ کر الگ ہوا اور چند ہی گھنٹوں کے اندر اس کے نتیجے میں آنے والے سیلاب نے امیگریشن چیک پوسٹوں، تیرہ بجلی کے منصوبوں اور ہمالیہ کی ایک درجن سے زائد بستیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ نیپال اور تبت میں تقریباً ۱۹۰ افراد ہلاک، جب کہ تقریباً دو ہزار افراد لاپتا ہیں۔ کیلاش مانسرور کے راستے پر موجود کئی بھارتی یاتریوں کا بھی تاحال کوئی پتا نہیں چل سکا۔ بھارت کے بالائی علاقوں میں ۴۷ خطرناک گلیشیائی جھیلیں موجود ہیں، جن میں سے ۲۵ چین کے اندر واقع ہیں۔ یہ صورتِ حال ایک نہایت اہم سوال ہمارے سامنے رکھتی ہے: آخر اس خطے کو مزید کتنی وارننگز درکار ہیں، اس سے پہلے کہ ایسا مؤثر اور فوری نظام قائم کیا جائے جو گھنٹوں نہیں بلکہ چند منٹوں میں خطرے کی نشاندہی کرکے لوگوں کو بروقت خبردار کر سکے؟

یہ واقعہ محض ایک قدرتی آفت نہیں؛ یہ ہمیں انسان اور فطرت کے درمیان بگڑتے ہوئے تعلق کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے۔ قدرت نے انسان اور فطرت کے درمیان ایک نہایت متوازن رشتہ قائم کیا ہے۔ پہاڑ، جنگلات، دریا، سمندر، بارش، برفانی ذخائر اور گلیشیئر—یہ سب زمین کے اس عظیم قدرتی نظام کا حصّہ ہیں جس پر انسانی زندگی کا انحصار ہے۔ لیکن جب انسان اپنی ضرورت کو لالچ، ترقی کو بے لگام دوڑ اور سہولت کو فطرت پر غلبے کا ذریعہ بنا لیتا ہے تو یہ نازک توازن رفتہ رفتہ بگڑنے لگتا ہے۔ آج پگھلتے اور سکڑتے ہوئے گلیشیئر اسی بگڑتے ہوئے توازن کی ایک خطرناک علامت ہیں۔ گلیشیئرز کا پگھلنا ایک قدرتی عمل ہے، لیکن موجودہ دور میں عالمی درجۂ حرارت میں مسلسل اضافہ اس قدرتی عمل کو غیر معمولی رفتار دے رہا ہے۔ صنعتی سرگرمیاں، کوئلے، تیل اور گیس کا بڑے پیمانے پر استعمال، گاڑیوں اور کارخانوں سے خارج ہونے والی گرین ہاؤس گیسیں، جنگلات کی کٹائی اور بے ہنگم شہری و صنعتی توسیع—یہ سب عوامل زمین کے ماحولیاتی نظام پر گہرے اثرات مرتب کر رہے ہیں۔

انسان نے اپنی ترقی کے لیے فطرت سے بے شمار وسائل حاصل کیے، مگر ان وسائل کے تحفّظ اور تجدید کی ذمّہ داری کو اسی تناسب سے محسوس نہیں کیا۔ نتیجتاً فضا میں گرمی کو روکنے والی گیسوں کی مقدار میں اضافہ ہوا، عالمی درجۂ حرارت بڑھا اور اس کے اثرات برفانی خطوں تک نمایاں طور پر پہنچنے لگے۔ گلیشیئر محض برف کے پہاڑ نہیں ہوتے؛ یہ قدرت کے عظیم آبی ذخائر ہیں۔ ان سے پگھلنے والا پانی دریاؤں کو زندگی فراہم کرتا، زراعت کو سہارا دیتا اور کروڑوں انسانوں سمیت بے شمار حیوانات کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ پہاڑوں پر جمع یہ برف دراصل آنے والے موسموں اور نسلوں کے لیے پانی کا ایک قدرتی ذخیرہ ہے۔ جب یہ ذخائر تیزی سے سکڑنے لگتے ہیں تو اس کے اثرات صرف برفانی علاقوں تک محدود نہیں رہتے، بلکہ دریاؤں کے بہاؤ، زراعت، آبادیوں اور پورے ماحولیاتی نظام کو متاثر کرتے ہیں۔

اس صورتِ حال کا ایک خطرناک پہلو یہ بھی ہے کہ گلیشیئر کے پگھلنے سے بننے والی یا پھیلنے والی گلیشیائی جھیلیں اچانک پھٹ سکتی ہیں، جن سے آنے والا شدید سیلاب چند ہی گھنٹوں میں وادیوں، پلوں، سڑکوں، بجلی کے منصوبوں اور انسانی آبادیوں کو تباہ کر سکتا ہے۔ یوں جو برف صدیوں تک پانی کو محفوظ رکھنے کا ذریعہ تھی، وہ بعض حالات میں چند لمحوں کے اندر تباہ کن سیلاب کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پگھلتے ہوئے گلیشیئر کو محض ایک ماحولیاتی تبدیلی سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ پانی، خوراک، زراعت، انسانی آبادی، حیاتیاتی تنوع اور آنے والی نسلوں کے مستقبل سے جڑا ہوا مسئلہ ہے۔ اور شاید سب سے بڑا سوال یہی ہے کہ کیا ہم فطرت کے ان مسلسل ملنے والے اشاروں کو محض خبروں کی سرخی سمجھ کر نظر انداز کرتے رہیں گے، یا وقت رہتے اپنے طرزِ زندگی، ترقی کے تصور اور زمین کے ساتھ اپنے تعلق پر نظرِ ثانی کریں گے؟

گلیشیئر کے پگھلنے میں انسان کا کتنا ہاتھ ہے؟ یہ سوال محض سائنسی نہیں، اخلاقی بھی ہے۔ انسان نے براہِ راست ہر گلیشیئر کو نہیں پگھلایا، لیکن اس کی صنعتی، معاشی اور طرزِ زندگی کی سرگرمیوں نے اس عالمی ماحولیاتی تبدیلی کو ضرور تیز کیا ہے جس کا اثر برفانی علاقوں تک پہنچ رہا ہے۔ یہ دراصل انسان اور فطرت کے درمیان تعلق کے بحران کی داستان ہے۔ ہم نے فطرت کو ایک امانت سمجھنے کے بجائے ایک بے انتہا وسیلہ سمجھ لیا۔ درخت کاٹا تو دوبارہ لگانے کی فکر کم کی، زمین سے وسائل نکالے تو اس کی تجدید کا خیال نہ رکھا، توانائی استعمال کی تو اس کے ماحولیاتی اثرات کو نظر انداز کیا، اور ترقی کی رفتار بڑھاتے ہوئے یہ بھول گئے کہ زمین کی برداشت کی بھی ایک حد ہے۔

پگھلتے گلیشیئر ہمیں ایک بڑے المیے کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ صرف برف کے پگھلنے کا نہیں بلکہ پانی، زراعت، خوراک، انسانی آبادی، حیاتیاتی تنوع اور آنے والی نسلوں کے مستقبل کا مسئلہ ہے۔ ایک گلیشیئر کا سکڑنا بظاہر کسی دور افتادہ پہاڑی علاقے کا واقعہ محسوس ہو سکتا ہے، لیکن اس کے اثرات بہت دور تک پہنچ سکتے ہیں۔ پانی کے نظام میں تبدیلی سے کسان متاثر ہو سکتے ہیں، دریاؤں کا بہاؤ بدل سکتا ہے، سیلاب اور خشک سالی کے خطرات بڑھ سکتے ہیں اور بالآخر انسان ہی اس ماحولیاتی عدمِ توازن کی قیمت ادا کرتا ہے۔ اس بحران کا حل صرف حکومتوں یا سائنس دانوں کی ذمّہ داری نہیں۔ حکومت، صنعت، معاشرہ اور فرد—سب کو اپنی اپنی سطح پر کردار ادا کرنا ہوگا۔

سب سے پہلے توانائی کے ایسے ذرائع کو فروغ دینا ہوگا جو ماحول پر کم سے کم اثر ڈالیں۔ شمسی اور ہوائی توانائی جیسے صاف ذرائع کی طرف منتقلی، ایندھن کے غیر ضروری استعمال میں کمی اور توانائی کی بچت اس سلسلے میں اہم اقدامات ہیں۔ دوسرا اہم قدم جنگلات کا تحفّظ اور بڑے پیمانے پر شجرکاری ہے۔ درخت صرف سایہ اور خوبصورتی نہیں دیتے بلکہ ماحول کے توازن، مٹی کے تحفّظ، پانی کے چکر اور حیاتیاتی تنوع میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ تیسرا، شہروں اور صنعتوں کی منصوبہ بندی اس انداز میں ہونی چاہیے کہ ترقی اور ماحول ایک دوسرے کی دشمن نہ بنیں۔ پبلک ٹرانسپورٹ کا فروغ، آلودگی میں کمی، پانی کا محتاط استعمال، فضلے کی مناسب تلفی اور پائیدار تعمیرات اس سمت میں مؤثر قدم ہو سکتے ہیں۔ چوتھا، سب سے اہم کام طرزِ زندگی کی اصلاح ہے۔ ہمیں یہ سوال اپنے آپ سے کرنا ہوگا کہ ہماری ہر ضرورت واقعی ضرورت ہے یا محض خواہش؟ کیا ہم وسائل کو استعمال کرتے ہوئے ان کے ضیاع سے بچ رہے ہیں؟ کیا ہم پانی، بجلی، خوراک اور دیگر نعمتوں کو ذمّہ داری کے ساتھ استعمال کرتے ہیں؟

اسلامی تصورِ حیات میں زمین محض انسان کے استعمال کی چیز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور امانت ہے۔ قرآن انسان کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتا ہے اور اس کے اندر ایک ذمّہ دارانہ کردار پیدا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں بھی پانی، درختوں، جانوروں اور ماحول کے ساتھ حسنِ سلوک کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ اس لیے ماحولیاتی بحران کا مقابلہ صرف جدید ٹیکنالوجی سے نہیں بلکہ اخلاقی شعور سے بھی کرنا ہوگا۔ سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ گلیشیئر کیوں پگھل رہے ہیں، لیکن اخلاق ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ انہیں بچانا کیوں ضروری ہے۔ آج پگھلتا ہوا گلیشیئر گویا انسان سے ایک خاموش سوال کر رہا ہے: کیا ترقی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے ہی مستقبل کی بنیادیں کمزور کر دے؟

اگر ہم نے وقت رہتے اپنے طرزِ زندگی، توانائی کے استعمال، صنعتی پالیسیوں اور فطرت کے ساتھ اپنے تعلق پر نظرِ ثانی نہ کی تو آنے والی نسلیں ہمیں اس زمین کے ایسے وارث کے طور پر یاد کریں گی جنہوں نے اپنے آرام کے لیے قدرت کا توازن قربان کر دیا۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم فطرت سے جنگ ختم کریں، زمین کو امانت سمجھیں، وسائل کے استعمال میں اعتدال اختیار کریں اور ترقی کا ایسا راستہ تلاش کریں جس میں انسان بھی محفوظ رہے اور فطرت بھی۔ گلیشیئر کا پگھلنا صرف برف کا پگھلنا نہیں؛ یہ انسان کے اپنے مستقبل کے پگھلنے کی وارننگ ہے۔ ماحولیاتی بحران کے بارے میں اسلام کی رہنمائی نہایت بنیادی اور جامع ہے۔ اسلام نے ماحولیات کو محض ایک سائنسی یا معاشی مسئلہ نہیں سمجھا بلکہ اسے انسان کے اخلاقی اور روحانی رویے سے جوڑا ہے۔

قرآن مجید انسان کو زمین پر ذمّہ دار مخلوق کی حیثیت سے دیکھتا ہے اور اسے اس بات سے روکتا ہے کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کے نظام میں فساد پیدا کرے۔

قرآن مجید انسان کو زمین کا مالکِ مطلق قرار نہیں دیتا بلکہ اسے اس میں ذمّہ داری کے ساتھ زندگی گزارنے والا قرار دیتا ہے "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں" (البقرۃ:۳۰)۔ خلافت کا یہ تصور انسان کو اختیار کے ساتھ ذمّہ داری بھی عطا کرتا ہے۔ انسان زمین کے وسائل سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، مگر اسے تباہ کرنے، ضائع کرنے یا آنے والی نسلوں کے حق کو پامال کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن انسان کو متنبہ کرتا ہے "اور زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد برپا نہ کرو" (الأعراف: ۵۶)۔ آج جنگلات کی بے دریغ کٹائی، دریاؤں اور سمندروں کی آلودگی، فضائی آلودگی اور عالمی حدت جیسے مسائل کو اسی وسیع قرآنی اصول کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید ایک نہایت معنی خیز حقیقت بیان کرتا ہے "خشکی اور سمندر میں فساد ظاہر ہو گیا، لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب" (الروم: ۴۱)۔ یہ آیت موجودہ ماحولیاتی بحران کے لیے ایک گہری اخلاقی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ انسان کے اعمال کے نتائج صرف انسان تک محدود نہیں رہتے؛ ان کے اثرات زمین، پانی، ہوا، حیوانات اور پورے ماحولیاتی نظام تک پہنچتے ہیں۔ پگھلتے ہوئے گلیشیئر بھی ہمیں اسی حقیقت کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ انسانی سرگرمیوں کے اثرات بسا اوقات وہاں بھی پہنچ جاتے ہیں جہاں انسان کی براہِ راست موجودگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اعتدال بنیادی اصول ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے "کھاؤ اور پیو، مگر اسراف نہ کرو" (الأعراف: ۳۱)۔ اسراف صرف کھانے پینے تک محدود نہیں۔ اسلامی اخلاق کا یہ اصول زندگی کے ہر شعبے پر لاگو ہوتا ہے۔ پانی، بجلی، ایندھن، خوراک اور قدرتی وسائل کا بے جا استعمال بھی اسی عمومی اخلاقی اصول کے خلاف ہے۔ آج جب دنیا وسائل کے بے تحاشا استعمال، ضرورت سے زیادہ پیداوار اور صارفیت کے بحران سے دوچار ہے، اسلام کا اعتدال اور عدمِ اسراف کا تصور ایک اہم ماحولیاتی اصول بن کر سامنے آتا ہے۔

پانی انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ قرآن مجید پانی کو زندگی کی بنیاد قرار دیتا ہے "اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے زندہ کیا (الأنبیاء:۳۰)"۔ گلیشیئرز کا ایک اہم کردار دنیا کے آبی نظام سے وابستہ ہے۔ ان کا پگھلنا ہمیں پانی کی قدر اور اس کے محتاط استعمال کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پانی کے استعمال میں بھی اسراف سے منع فرمایا۔ احادیث میں وضو کے دوران پانی کے غیر ضروری استعمال سے بچنے کی تعلیم ملتی ہے، یہاں تک کہ بہتے ہوئے پانی کے قریب بھی اسراف سے منع کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے نزدیک پانی کا احترام صرف ضرورت کے وقت نہیں بلکہ ہر حال میں مطلوب ہے۔ اسلام نے شجرکاری کو بھی محض معاشی یا ماحولیاتی سرگرمی نہیں سمجھا بلکہ اسے اجر و ثواب کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کھیتی بوتا ہے اور اس سے انسان، پرندہ یا جانور کھاتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہے۔ (صحیح البخاری، صحیح مسلم)۔ یہ تعلیم انسان کو فطرت کے ساتھ دینے والے تعلق کی طرف لے جاتی ہے۔ ہم زمین سے مسلسل لیتے رہیں اور کچھ واپس نہ کریں، یہ اسلامی مزاج نہیں۔ ایک درخت لگانا بظاہر معمولی عمل ہے، لیکن اس میں انسان، حیوان اور آنے والی نسلوں کے لیے خیر کا پہلو موجود ہے۔

اسلامی ماحولیاتی تصور صرف انسانوں تک محدود نہیں۔ قرآن مجید جانوروں کو بھی باقاعدہ امتیں قرار دیتا ہے "زمین میں چلنے والا کوئی جانور اور اپنے پروں سے اڑنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں جو تمہاری ہی طرح کی امتیں نہ ہوں" (الأنعام: ۳۸)۔ اس تصور کے نتیجے میں حیوانات، پرندوں اور دیگر جانداروں کے ساتھ رحم و شفقت اور ان کے مسکن کے تحفّظ کی ذمّہ داری پیدا ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا بنیادی وصف ہی رحمت ہے "اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے" (الأنبیاء: ۱۰۷)۔ یہ رحمت صرف انسانوں کے لیے نہیں بلکہ تمام عالم کے لیے ہے۔ آپ ﷺ نے جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی ترغیب دی، انہیں بلاوجہ تکلیف پہنچانے سے روکا اور درختوں کو نقصان پہنچانے سے متعلق بھی ہدایات دیں۔ چنانچہ سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ماحول کے تحفّظ کو رحمتِ عالم ﷺ کے وسیع تر پیغام کا حصّہ سمجھا جا سکتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں آج ہماری ماحولیاتی ذمّہ داری چند بنیادی اصولوں میں سمٹ سکتی ہے:

- زمین کو امانت سمجھیں، بے لگام ملکیت نہیں- پانی، بجلی، خوراک اور قدرتی وسائل کے استعمال میں اسراف سے بچیں- شجرکاری اور جنگلات کے تحفّظ کو اجتماعی ذمّہ داری سمجھیں- فضائی، آبی اور زمینی آلودگی کو کم کرنے کی کوشش کریں۔
- جانوروں اور دیگر جانداروں کے ساتھ رحم کا معاملہ کریں-ایسی ترقی کی حمایت کریں جو ماحول اور آنے والی نسلوں کے حقوق کو پامال نہ کرے-اپنی ضرورت اور خواہش کے درمیان فرق سمجھیں اور صارفیت کی اندھی دوڑ سے بچیں۔
-ماحولیاتی شعور کو دینی تربیت، تعلیم اور معاشرتی زندگی کا حصّہ بنائیں۔

پگھلتے ہوئے گلیشیئر دراصل ہمارے سامنے ایک ایسا آئینہ ہیں جس میں انسان اپنی تہذیبی ترجیحات دیکھ سکتا ہے۔ سوال صرف یہ نہیں کہ برف کیوں پگھل رہی ہے؛ اصل سوال یہ ہے کہ ہماری زندگی کا وہ کون سا انداز ہے جس نے زمین کے قدرتی توازن کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے؟ اسلام انسان کو ترقی سے نہیں روکتا، بلکہ ایسی ترقی چاہتا ہے جو عدل، اعتدال اور ذمّہ داری کے ساتھ ہو۔ اسلام وسائل کے استعمال سے منع نہیں کرتا، بلکہ اسراف اور فساد سے روکتا ہے۔ اسلام زمین سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتا ہے، مگر زمین کو تباہ کرنے کی نہیں۔ لہٰذا آج ماحولیاتی بحران کے مقابلے میں ہمیں صرف نئی ٹیکنالوجی نہیں، بلکہ نیا اخلاقی شعور بھی درکار ہے۔

سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ گلیشیئر کیوں پگھل رہے ہیں؛ اسلام ہمیں یہ احساس دلاتا ہے کہ زمین کی حفاظت ہماری ذمّہ داری کیوں ہے۔ اگر زمین امانت ہے تو اس کی حفاظت عبادت کا اخلاقی تقاضا ہے، اگر پانی نعمت ہے تو اس کا ضیاع ناشکری ہے، اگر درخت اللہ کی مخلوق ہیں تو ان کی حفاظت رحمت ہے، اور اگر آنے والی نسلوں کا بھی اس زمین پر حق ہے تو آج کا بے اعتدال طرزِ زندگی ان کے حق میں ناانصافی ہے۔ زمین ہماری جاگیر نہیں؛ اللہ کی امانت ہے۔ اور امانت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے اپنے بعد پہلے سے بہتر حالت میں چھوڑا جائے۔

(۲۷،۰۸،۲۰۲۶)

Masood M. Khan
(Mumbai)
masood.media4040@gmail.com

○○○○○○○○○

ڈاکٹر مظہر احمد فاروقی: تدریس سے قیادت تک ایک درخشاں اور قابل تقلید سفر

۳۱ اگست ۲۰۲۶ بروز پیر کو حسن خدمات سے سبکدوشی پر خصوصی تحریر

تحریر:ڈاکٹر محمد عبدالسمیع ندوی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ عربی، مولانا آزاد کالج، اورنگ آباد
موبائل:۹۳۲۵۲۱۷۳۰۶

کسی انسان کی حقیقی عظمت صرف اس عہدے سے متعین نہیں ہوتی جس پر وہ فائز ہو، بلکہ اس سے ہوتی ہے کہ اس نے اپنے عہدے کو کس قدر وقار، دیانت، قابلیت اور احساس ذمہ داری کے ساتھ نبھایا۔ کچھ لوگ منصب کو اپنے لیے عزت کا ذریعہ بناتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ اپنی شخصیت، کردار اور خدمات سے منصب کو عزت بخشتے ہیں۔ ڈاکٹر مظہر احمد فاروقی کا شمار با شخصیات میں ہوتا ہے۔ انہوں نے تدریس، تحقیق، انتظام و انصرام اور تعلیمی قیادت کے مختلف میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے ایک ایسا قابل رشک سفر طے کیا جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ بن سکتا ہے۔

شعبۂ کیمیا میں اپنی غیر معمولی قابلیت کا لوہا منوانے والے ڈاکٹر مظہر احمد فاروقی محض ایک کامیاب استاد نہیں رہے، بلکہ انہوں نے اپنے علمی مقام، تدریسی اسلوب، خوش اخلاقی، محنت، منصوبہ بندی اور طلبہ کے ساتھ خصوصی تعلق کے ذریعے ایک ایسی شناخت قائم کی جس نے انہیں اپنے رفقائے کار اور طلبہ دونوں میں ممتاز مقام عطا کیا۔ ان کی شخصیت میں علم کے ساتھ تعلق، قابلیت کے ساتھ کردار، منصب کے ساتھ ذمہ داری اور اختیار کے ساتھ انصاف کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔

ان کا تدریسی سفر مختلف تعلیمی اداروں اور معروف کوچنگ کلاس سے وابستہ رہا، جہاں انہوں نے اپنی مضمون پر گہری گرفت اور مؤثر تدریسی صلاحیت کے ذریعے طلبہ کے دلوں میں جگہ بنائی۔ حالیہ معروف کالج سے لے کر اورنگ آباد کے ممتاز تعلیمی اداروں، بالخصوص ڈاکٹر رفیق زکریا کالج آف ویمن، ہولنڈ تک ان کی خدمات کے نقوش نمایاں رہے۔ انہوں نے جہاں بھی تدریسی ذمہ داری سنبھالی، وہاں محض اپنا فرض ادا کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ادارے، طلبہ اور تعلیمی ماحول کی بہتری کے لیے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا۔ یہی وجہ تھی کہ انتظامیہ میں ان کی قدر و منزلت مسلسل بڑھتی گئی اور بالآخر انہیں پرنسپل کی اہم ذمہ داری سونپی گئی۔

ان کی علمی و انتظامی صلاحیتوں کا اعتراف اس وقت بھی ہوا جب انہیں ڈاکٹر صاحب ایڈمنسٹریٹر کے شعبہ سائنس و انجینئرنگ میں ڈین کی ذمہ داری سونپی گئی۔ یونیورسٹی کے ایک اہم منصب تک رسائی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ان کی قابلیت محض تدریس تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ وسیع تر تعلیمی و انتظامی امور کو سمجھنے، انہیں منظم کرنے اور مؤثر انداز میں آگے بڑھانے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔

ان کے سفر کا ایک اہم اور قابل ذکر باب ۲ مئی ۲۰۱۹ سے مولانا آزاد کالج آف آرٹس، سائنس اینڈ کامرس، اورنگ آباد کے فل ٹائم پرنسپل کی حیثیت سے ان کی ذمہ داریوں سے وابستہ ہے۔ ایک بڑے اور ممتاز تعلیمی ادارے کی قیادت کوئی معمولی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ اس کے لیے علمی بصیرت، انتظامی تجربہ، دوراندیشی، فیصلہ سازی کی صلاحیت، انسانی نفسیات کا فہم اور سب سے بڑھ کر احساس ذمہ داری درکار ہوتا ہے۔ ڈاکٹر مظہر احمد فاروقی نے اپنے دور پرنسپل شپ میں ان اوصاف کو عملی طور پر بروئے کار لاکر اپنی انتظامی صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔

ان کی کامیابی کے پس منظر میں اگر غور کیا جائے تو چند بنیادی اصول نمایاں طور پر نظر آتے ہیں: عزم محکم عمل، بہترین منصوبہ بندی، وقت کی قدر، ذمہ داری کا احساس اور کام کے معیار پر کوئی سمجھوتہ نہ کرنا۔ وہ جانتے تھے کہ کسی ادارے کی ترقی محض ایک فرد کی محنت سے ممکن نہیں، بلکہ اس کے لیے پوری ٹیم کو ساتھ لے کر چلنا ضروری ہے۔ چنانچہ اپنے ماتحت عملے کے ساتھ عزت و تکریم کا معاملہ، معاملات میں عدل وانصاف اور ہر فرد کو اس کی ذمہ داری کے حوالے سے جواب دہ بنانا ان کے انتظامی مزاج کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

ان کی شخصیت کا ایک نہایت قابل تحسین پہلو ان کا وسیع النظر اور انسان دوست رویہ بھی ہے۔ مولانا آزاد کالج چونکہ ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم، ممتاز دانشور اور عظیم قومی رہنما مولانا ابوالکلام آزاد کے نام سے موسوم ہے، اس لیے اس ادارے کی شناخت میں قومی یکجہتی، مذہبی رواداری اور سیکولر اقدار کی ایک خاص اہمیت ہے۔ ڈاکٹر مظہر احمد فاروقی نے ان اصولوں کو محض تقریروں اور تحریروں تک محدود نہیں رکھا بلکہ اپنے عملی رویے میں ان کی ترجمانی کی۔ ان کا طرز عمل مذہبی رواداری کی تعریف سے بالاتر ہو کر طلبہ، اساتذہ اور غیر تدریسی عملے کے ساتھ یکساں احترام، سلوک اور حسن سلوک پر قائم رہا۔

شاید یہی وجہ ہے کہ مختلف مذاہب اور طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد میں ان کی مقبولیت قائم ہوئی۔ ایک تعلیمی ادارے کا سربراہ اگر اپنے رویے سے اعتماد پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ ادارے کے ماحول کو بھی مثبت سمت دے سکتا ہے۔ ڈاکٹر فاروقی نے اسی اعتماد کو اپنی انتظامی قوت بنایا اور لوگوں کو ان کی صلاحیت کے مطابق ذمہ داریاں تفویض کرنے اور ان سے بہتر کام لینے کا بھرپور استعمال کیا۔

حلم، بردباری، عفو و درگزر، خوش اخلاقی، وقت کی پابندی، قابلیت کی قدر اور اہل افراد کو قریب رکھنے کی عادت کے وہ اوصاف ہیں جو انہیں ایک کامیاب منتظم کے ساتھ ساتھ ایک اچھا انسان بھی بناتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ادارے افراد سے بنتے ہیں اور افراد کی صلاحیتوں کو صحیح سمت میں استعمال کیا جائے تو معمولی وسائل کے باوجود بڑے نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ یہی انتظامی بصیرت کسی بھی ادارے کے سربراہ کو ایک حقیقی قائد بناتی ہے۔

ڈاکٹر مظہر احمد فاروقی کے سفر کو صرف ایک شخص کی ترقی کی داستان سمجھنا شاید اس کی حقیقی معنویت کو کم کر دینا ہوگا۔ یہ دراصل اس بات کی مثال ہے کہ مسلسل محنت، علمی استعداد، نظم وضبط، منصوبہ بندی اور اپنے فرائض کے ساتھ خلوص انسان کو تدریس کے میدان سے تعلیمی قیادت کی بلند منزلوں تک پہنچا سکتی ہے۔ پروفیسر ڈین اور پھر ایک بڑے کالج کے پرنسپل تک کا یہ سفر ان نوجوان اساتذہ اور تعلیمی کارکنوں کے لیے ایک عملی سبق ہے جو اپنے شعبے میں آگے بڑھنے کا عزم رکھتے ہیں۔

آج جب تعلیمی اداروں کو مختلف چیلنجز، نصاب اور امتحانات کے بجائے مضبوط انتظام، باصلاحیت قیادت اور مثبت تعلیمی ماحول کی ضرورت ہے، ایسے میں ڈاکٹر مظہر احمد فاروقی کی خدمات کا جائزہ لینا خاصا اہم ہو جاتا ہے۔ ان کے دور قیادت کے روشن نقوش اس بات کے متقاضی ہیں کہ ادارے میں قائم کیے گئے اچھے نظام کو افراد کے ساتھ ختم نہ ہونے دیا جائے بلکہ اسے ایک مستقل ادارہ جاتی روایت میں تبدیل کیا جائے۔

حقیقی خراج تحسین یہی ہوگا کہ ان کی محنت، منصوبہ بندی، نظم و نسق، عدل و انصاف اور انسان دوستی کے ان اصولوں کو آگے بڑھایا جائے جنہیں انہوں نے اپنے عملی کردار سے مضبوط کیا۔ کیونکہ شخصیات وقت کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہیں، مگر ان کے قائم کیے ہوئے اچھے نظام، ان کی تربیت یافتہ افراد اور ان کے کردار کے روشن نقوش مدتوں باقی رہتے ہیں۔

ڈاکٹر مظہر احمد فاروقی کا تعلیمی و انتظامی سفر اسی حقیقت کی گواہی دیتا ہے کہ منصب انسان کو بڑا نہیں بناتا، بلکہ انسان اپنے کردار، قابلیت اور خدمت سے منصب کو بڑا بناتا ہے۔ ان کی تدریسی خدمات، انتظامی بصیرت، وسیع القلبی اور ادارے کے لیے مسلسل جدوجہد کے نقوش یقینا دیر تک یاد رکھے جائیں گے اور آنے والی نسلیں ان کے سفر سے یہ سبق حاصل کرتی رہیں گی کہ کامیابی کا راستہ عزم، محنت، دیانت، منصوبہ بندی اور ذمہ داری کے احساس سے ہو کر گزرتا ہے۔

محی السنہ حضرت علامہ صوفی سخاوت علی قادری برکاتی علیہ الرحمہ زہد و تقویٰ کے پیکر عظیم تھے

نویں عرس مبارک پر قاری اخلاق احمد نظامی کی جانب سے خصوصی خراج تحسین

جب تاریخ اپنے سینے میں ورق گردانی کرتی ہے تو کچھ نام ایسے ابھرتے ہیں جو سیاہی سے نہیں بلکہ نور سے لکھے جاتے ہیں۔ وہ نام جو وقت کی گرد میں گم نہیں ہوتے بلکہ وقت خود ان کے نقش پا کو چوم کر متبرک ہوتا ہے۔

ایسی ہی ایک روشن، تابندہ، درخشاں و فروزاں ہستی، درویش صفت، فرشتہ خصلت، محی السنہ، محبوب الاولیاء، سند الاتقیاء، زبدۃ الصلحاء، پیر طریقت، رہبر شریعت، حضرت علامہ الحاج صوفی الشاہ سخاوت علی قادری برکاتی قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی قدر تھی۔

آپ کی سادگی میں وہ جلال تھا جو شاہان وقت کے تاج و تخت میں بھی میسر نہیں۔ آپ کی خاموشی میں وہ انقلاب آفرینی تھی جو ہزاروں گرجتے ہوئے خطبوں میں نہیں ملتی۔ آپ کی سنجیدگی میں تقوی و طہارت، زہد و قناعت اور للّٰہیت و بے نفسی کی وہ بے شمار بہاریں جلوہ گر تھیں کہ دیکھنے والا ایک ہی نگاہ میں اپنا دل آپ کے قدموں میں نچھاور کر دیتا تھا۔ آپ نہ صرف ایک شخص تھے بلکہ اپنے اندر ایک عہد، ایک تحریک، ایک خانقاہ، ایک مدرسہ اور ایک مکمل صوفیانہ تہذیب سموئے ہوئے تھے۔

قصہ کچھ یوں ہے کہ ۱۹۲۸ء کی ایک نور آگیں صبح، جب برصغیر کی فضاؤں پر انگریزی سامراج کی غلامی کے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے، اذانیں سہمی ہوئی تھیں، مگر خانقاہوں کے دریچوں سے اب بھی توحید و رسالت اور عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی پھوٹ رہی تھی، اسی روشنی کے ایک روشن مینار کے طور پر اس ماہتاب نے آنکھ کھولی۔ آپ کی پیدائش ایک دیندار، رئیس اور باوقار گھرانے میں ہوئی۔

بچپن ہی سے آثار ولایت نمایاں تھے۔ کھیل کود کی عمر میں بھی آپ کو مسجد کی صفیں اور ذکر کی محفلیں محبوب تھیں۔ ابتدائی عمر ہی میں علم دین کی طرف ایسی رغبت دکھائی کہ اساتذہ وقت انگشت بدنداں رہ گئے۔ آپ نے ظاہری علوم و فنون کی تکمیل بڑی محنت و جانفشانی سے کی۔ صرف و نحو، منطق و فلسفہ، فقہ و تفسیر اور حدیث و اصول حدیث کے بحر بیکراں میں غوطہ زن ہوئے۔ مگر علم ظاہر کے بعد دل کا اضطراب بڑھتا ہی گیا۔ یہ وہ بے چینی تھی جو ہر سچے طالب حق کے دل میں پیدا ہوتی ہے، اسے قرار نہ مدرسے کی چاردیواری میں ملا نہ کتابوں کے اوراق میں۔

اس بے چینی کو قرار ملا تو خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ میں ملا۔ وہ خانقاہ جو قیامت تک اہلسنت کی آنکھ کا تارا ہے، جہاں نسبتوں کے تاج بانٹے جاتے ہیں، جہاں ولایت کے پروانے جل کر فنا کی منزل پاتے ہیں، جہاں حضور سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی علیہ الرحمہ کی نگاہ سے دلوں کی کائنات بدل جاتی ہے۔ وہاں آپ نے سیدین کریمین، عارف باللہ، حضور سید العلما اور حضور احسن العلما قدس سرہما کی چوکھٹ پر زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اپنی جبین نیاز کو عجز و انکساری کے ساتھ ان کے آستانہ عالیہ پر رکھ دیا۔ برسوں تک جگر سوزی، شب بیداری اور مجاہدات و ریاضت کے بعد جب آپ وہاں سے خلافت کے تاج اور اجازت و نیابت کے پروانہ سے سرفراز ہو کر نکلے تو ایک مرد قلندر، ایک ولی کامل بن کر نکلے۔

آپ کی زندگی کی داستان بڑی عجیب اور بڑی دلکش ہے۔ آپ مالدار تھے، صاحب جائیداد و جائیداد تھے، دنیاوی اعتبار سے رئیس و خوشحال تھے، زمینیں تھیں، مکانات تھے، دنیا کے اسباب فراواں تھے، مگر آپ کے نفس کی غنا دیکھنے کے لائق تھی۔ دنیا آپ کے قدموں میں لوٹ رہی تھی اور آپ دنیا سے بے نیاز، اپنی ایک الگ ہی دنیا میں مگن تھے۔

آپ کا بحر جود و سخا ہمیشہ موجزن رہا۔ اسی لیے تو آپ کا نام ہی سخاوت تھا۔ آپ کی ذات سخاوت کی عملی تفسیر تھی۔ کبھی کسی سائل کو آپ کے در سے خالی ہاتھ، ناکام و نامراد لوٹتے نہیں دیکھا گیا۔ آپ کا دسترخوان ہمیشہ وسیع رہا، آپ کا دامن ہمیشہ کشادہ رہا، آپ کا دل سمندر سے بھی زیادہ گہرا اور آسمان سے بھی زیادہ وسیع تھا۔ آپ نے اپنی دولت کو کبھی تجوریوں میں بند کر کے زنگ آلود نہیں کیا، بلکہ اسے دین متین کی اشاعت، مسکینوں اور بیواؤں کی دستگیری، مدارس اسلامیہ کی امداد، مسافروں کی مہمان نوازی اور بھوکوں کو کھانا کھلانے میں بے دریغ لٹا دیا۔ آپ کے نزدیک اصل امیری دل کی امیری تھی، اور آپ اس امیری کے سب سے بڑے تاجدار تھے۔

آپ کی سیرت کا سب سے روشن، سب سے تابناک باب آپ کا اخلاص اور آپ کی مسلک سے وفاداری تھی۔ آپ اخلاص کے پیکر نور تھے، تقوی کے مصدر ظہور تھے، اور علم و روحانیت کے سراج منیر تھے۔ آپ مشائخ مارہرہ مطہرہ کے معتمد خاص تھے۔ ان کے رازوں کے امین تھے۔ مسلک اہلسنت و الجماعت کے سچے، کھرے اور بے باک ترجمان تھے۔ کبھی اپنے آقازادوں سے بے وفائی کا تصور بھی نہیں کیا۔ آپ کی وفا ایسی مثالی تھی کہ مخالف ہواؤں کے طوفان میں بھی آپ اس چراغ برکاتی کو اپنی ہتھیلیوں سے بچائے رکھا۔ آخری سانس تک اس نسبت کو سینے سے لگائے رکھا۔ آپ کا صوفیانہ مسلک و مشرب بڑا نرالا اور بڑا پیارا تھا۔ آپ نے پہلے شریعت کو اپنایا، شریعت کے علم کو سینے میں بسایا، شریعت کے ظاہر کو اپنے وجود پر نافذ کیا، پھر شریعت پر کامل عمل کر کے طریقت کی معراج کو پایا۔ آپ کی زندگی اس بات کی عملی اور جیتی جاگتی تفسیر تھی کہ شریعت و طریقت دو جدا راستے نہیں، بلکہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ شریعت جسم ہے تو طریقت اس کی روح ہے۔

قصبہ مگھہر، جو آج ضلع سنت کبیر نگر کی ایک جانی پہچانی پہچان ہے، وہ کبھی علمی و روحانی اعتبار سے بالکل ویران، سنسان اور بنجر تھا۔ جہالت کے اندھیرے تھے، بد مذہبی کی یلغار تھی۔ مگر آپ نے اپنے آبائی وطن میں ہی ایک عظیم خواب دیکھا، ایک ایسا خواب جو بیدار اور زندہ دل آنکھوں کا خواب تھا۔

آپ نے اپنی ذاتی زمین، اپنی ذاتی دولت اور اپنی شب و روز کی محنت سے دارالعلوم اہلسنت برکاتیہ مؤید الاسلام شیر پور مگھہر کی بنیاد رکھی۔ یہ ایک مدرسہ نہیں، آپ کی زندگی کا حاصل تھا۔ لوگ کہتے تھے، طعنہ دیتے تھے کہ یہ گاؤں میں مدرسہ کیسے چلے گا؟ یہاں اتنے بڑے ادارے کا نظم کیسے چلے گا؟ مگر یہ آپ کی نگاہ کی کرامت تھی، آپ کی دعاؤں کی برکت اور

آپ کے اخلاص کا ثمرہ تھا کہ آج اس ادارے کی عمارت آسمان سے باتیں کر رہی ہے اور اس سے سینکڑوں حفاظ، قراء، ائمہ، خطباء اور علماء کرام فارغ ہو کر ملک و بیرون ملک میں دین متین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ مگھہر، خلیل آباد، گورکھپور، بستی، گونڈہ، بہرائچ، بلرام پور تک آج بھی آپ کے تبلیغی نقوش کے چراغ روشن ہیں۔ آپ نے گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر پوری ملت کی قیادت فرمائی۔ آپ کی زبان پر کبھی شور نہیں تھا، مگر آپ کی خاموشی پورے علاقے میں گونجتی تھی۔

آپ کی روحانی عملیات اور فیضان نظر کا عالم بھی عام تھا۔ خلق خدا آپ کے پاس اپنے دلوں کے بوجھ، اپنے گھروں کے جھگڑے، اپنے رزق کی تنگی اور اپنی روحانی بیماریاں لے کر آتی اور آپ مسکرا کر، ایک دعا کر کے، ایک تعویذ دے کر ان کے دلوں کو ہلکا کر دیتے۔ کتنے ہی متلاشیان حق کو آپ نے خانقاہوں سے جوڑا، کتنے ہی بھٹکے ہوئے نوجوانوں کو آپ نے بزرگوں کے دامن کرم سے وابستہ کر کے ان کی دنیا و آخرت سنوار دی۔ آپ کی خانقاہ بیکس پناہ درسخی میں نہ جادو تھا نہ فریب، نہ ڈھول تماشہ تھا نہ ناچ گانا، صرف قرآن کی آیات کا ورد تھا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی معطر خوشبو تھی اور بزرگوں کی نسبتوں کا نور ہی نور تھا۔ اور یہی کسی ولی کامل کی سب سے بڑی کرامت ہوتی ہے کہ اس کا فیض اس کے وصال کے بعد ختم نہیں ہوتا بلکہ مزید بڑھ جاتا ہے۔ اللہ اپنے مقبول بندوں کے مشن کو کبھی رکنے نہیں دیتا۔

اسی لیے آپ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے گلشن کا ایک ایسا مالی تیار کر دیا تھا جو آپ کے بعد اس چمن کی آبیاری کرے۔

الحمدللہ! آپ کا مشن آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ زندہ ہے۔ اس کی وجہ آپ کے اکلوتے فرزند ارجمند، نور نظر، جگر پارہ مرشد کریم، جانشین صادق، پیر طریقت، رہبر شریعت، نسیم ملت حضرت علامہ قاری محمد اختر نسیم برکاتی مدظلہ العالی کی ذات گرامی ہے۔

آپ بلا شبہ اپنے والد ماجد کے سچے جانشین ہیں۔ جانشینی صرف دستار باندھنے سے نہیں آتی، جانشینی کردار سے آتی ہے۔ اور نسیم ملت نے اسے ثابت کر دکھایا ہے۔ آپ خلیفہ حضور نظمی میاں مارہروی، ناظم اعلی دارالعلوم اہلسنت برکاتیہ مؤید الاسلام و سجادہ نشین خانقاہ بیکس پناہ درسخی، قصبہ مگھہر کی حیثیت سے جس حسن و خوبی، جس اخلاص و للّٰہیت اور جس حکمت و بصیرت کے ساتھ دارالعلوم کی نظامت فرما رہے ہیں، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آج دارالعلوم کی تعلیمی ترقی، عمارتی توسیع، طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد اور اس کا بہترین نظم و نسق آپ ہی کی شب و روز کی انتھک محنتوں کا نتیجہ ہے۔ آپ نے اپنے والد کے خواب کو نہ صرف سنبھالا بلکہ اسے ایک نئی بلندی عطا فرمائی۔

اور سب سے بڑھ کر آپ کی اپنے پیر و مرشد، حضور مارہرہ مطہرہ کے آقا زادوں سے حد درجہ عقیدت و محبت۔ یہ وہ وصف ہے جو آج کے دور میں نایاب ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کی بارگاہ مارہرہ شریف سے وفاداری، وہاں کے ہر حکم پر لبیک کہنا، آقازادگان کرام کی تعظیم و توقیر میں سراپا ادب بن جانا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو اپنے والد سے وراثت میں صرف جائیداد نہیں بلکہ وفا کا وہ خمیر ملا ہے جو اولیاء کی پہچان ہوتا ہے۔ آپ کی یہی ادا آپ کو اپنے والد کا حقیقی اور سچا جانشین ثابت کرتی ہے۔

آپ کے شانہ بشانہ آپ کے دو لائق و فائق، باصلاحیت اور چشم و چراغ پوتے، حضرت مولانا محمد مصدق عرف جامی برکاتی اور حضرت مولانا محمد مبشر عرف نجمی برکاتی بھی اسی گلشن کی آبیاری میں دن رات مصروف ہیں۔ باپ کا فیض بیٹے میں اور دادا کا نور پوتوں میں، یہ روحانی تسلسل دیکھ کر دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ بیشک اللہ اپنے مقبول بندوں کی نسلوں میں بھی برکت رکھ دیتا ہے۔

اور اب، جب آپ کے وصال کو نو برس بیت چکے ہیں، مگر ایسا لگتا ہے کہ آپ کل ہی ہم میں موجود تھے۔ آپ کا فیضان آج بھی جاری و ساری ہے۔ اسی فیضان کو سمیٹنے کے لیے ۲ ستمبر بروز بدھ سے بمقام آستانہ عالیہ خانقاہ بیکس پناہ درسخی، شہر پنچایت مگھہر، ضلع سنت کبیر نگر میں آپ کا نواں سالانہ عرس مقدس نہایت عقیدت و احترام اور تزک و احتشام کے ساتھ منایا جا رہا ہے۔ یہ صرف ایک عرس نہیں، یہ ایک عہد کی تجدید ہے، یہ ایک نسبت کا جشن ہے، یہ اس بات کا اعلان ہے کہ ہم اپنے بزرگوں سے جڑے ہوئے ہیں۔

میں اخلاق احمد نظامی، پرنسپل دارالعلوم اہلسنت انوار العلوم گولا بازار گورکھپور، یہ بات پورے دعوے، فخر اور آنکھوں میں نمی کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھے تقریباً تین برس تک آپ کے زیر سایہ کرم، آپ کے قائم کردہ ادارے میں درس و تدریس کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے آپ کی سادگی کا وہ عالم دیکھا ہے کہ سردیوں کی یخ بستہ صبح، پرانی سی چادر اوڑھے، بغیر کسی خادم کے، آپ مسجد کی طرف جا رہے ہیں اور ہر قدم پر تقوی و طہارت کا نور آپ کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ میں نے آپ کے صبر کو دیکھا، آپ کے شکر کو دیکھا، آپ کے چہرہ انور پر ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی رہنے کی وہ کیفیت دیکھی جو کتابوں میں کم اور آپ جیسے فقیروں کی ذات میں زیادہ نظر آتی ہے۔

اے عاشقان اولیاء! یاد رکھو، مزارات اولیاء منبع انوار و تجلیات ہوتے ہیں۔ ان پر حاضری دینے سے دلوں کو سکون، آنکھوں کو ٹھنڈک اور روح کو غذا ملتی ہے، بے شمار دینی و دنیوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ لہذا اس عرس پاک پر جب حاضری دو تو پورے ادب کے ساتھ حاضری دینا۔ ہر خلاف شرع کام، میوزک، ڈھول اور بے پردگی سے بچنا۔ مزار شریف پر حاضری کا بہترین اور سنت طریقہ یہی ہے کہ صاحب مزار کے پائنتی یعنی قدموں کی جانب سے آؤ، چہرے کے سامنے چار ہاتھ کے فاصلے پر باادب کھڑے ہو کر درمیانی آواز میں سلام پیش کرو، کچھ قرآن خوانی کرو، سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھو، چند بار درود پاک کا نذرانہ پیش کر کے ایصال ثواب کرو، اور پھر اسی ولی کامل کے وسیلے سے رب تبارک و تعالی کی بارگاہ میں دعا مانگو۔ مزار شریف یا اس پر پڑی چادر کو چومنے، سجدہ کرنے یا اس سے لپٹنے سے بچو، کہ یہی ادب کا تقاضا ہے جس کی تعلیم ہمارے علمائے کرام اور مشائخ عظام نے دی ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ رب العزت اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت اطہار کے صدقے و طفیل، حضرت محی السنہ صوفی سخاوت علی قادری برکاتی علیہ الرحمہ کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے، ان کے مزار پر انوار و تجلیات کی بارش فرمائے، ان کے جانشینوں کو سلامت رکھے اور ہم سب کو ان کے فیوض و برکات سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

بڑی مسجد باسنی کے خطیب و امام مولانا سید محمد علی ہوئے سبکدوش

مصلیان مسجد نے ۳۱،۵۰،۷۸۶ کا تاریخی نذرانہ پیش کیا

ہر طرف سے مبارک باد کا سلسلہ اور مقتدیوں کو خراج تحسین

سنت کبیر نگر / ناگور شریف (اخلاق احمد نظامی)

ناگور کی دینی و روحانی فضاؤں میں آج ایک ایسا ایمان افروز اور تاریخ ساز منظر دیکھا گیا جس نے دلوں کو گرما دیا۔ بڑی مسجد باسنی جو اس علاقے کی مرکزی اور قدیم مسجد ہے آج اعترافِ خدمت کی ایک روشن مثال بن گئی۔

اس مسجد کے ہر دلعزیز امام و خطیب حضرت مولانا سید محمد علی صاحب نے اپنی پوری زندگی اسی مسجد میں امامت، دینی تعلیم، قرآن کی خدمت اور امت کی اصلاح میں گزار دی۔ آپ نے کئی عشروں تک اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ نمازیوں کی تربیت کی، بچوں کو نورِ قرآن سے منور کیا اور ہر خاص و عام کی دینی رہنمائی فرمائی۔ آپ کی یہ طویل بے لوث خدمات ہمیشہ سنہرے حروف میں یاد رکھی جائیں گی۔

آج جب حضرت امام صاحب اپنی اس طویل امامت سے سبکدوش (ریٹائر) ہوئے تو ایک عظیم الشان الوداعی تقریب منعقد ہوئی جس میں جذبات، محبت اور آنسوؤں کا سمندر امڈ آیا۔

اس موقع پر سب سے زیادہ خراجِ تحسین کے مستحق اس مسجد کے وہ غیور، باوفا اور علم دوست مقتدی ہیں جنہوں نے وفا کی تاریخ رقم کر دی۔ یہ وہ اہلِ دل ہیں جنہوں نے ثابت کر دیا کہ آج بھی اس امت میں علماء سے محبت زندہ ہے۔

یہ مقتدی صرف نمازی نہیں، بلکہ قدر دان، باشعور، اخلاق کے پیکر اور دین سے سچی لگن رکھنے والے لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنے امام کو صرف ایک ملازم نہیں بلکہ اپنا روحانی والد، اپنا مربی اور اپنا قائد سمجھا۔ انہوں نے یہ ثابت کیا کہ باسنی کے مسلمان ایک زندہ و بیدار قوم ہیں جو اپنے محسنوں کو کبھی فراموش نہیں کرتی۔ ان کی یہ عالی ظرفی، یہ فراخدلی اور یہ دینی حمیت یقیناً پوری ملت کے لیے ایک درس اور نمونہ ہے۔ اللہ ان کی اس محبت کو قبول فرمائے۔

انہی محبت بھرے دلوں نے اپنے امام سے اپنی والہانہ محبت کا اظہار کرتے ہوئے ۱۳۱،۵۰،۷۸۶ اکتیس لاکھ پچاس ہزار سات سو چھیاسی روپے کی خطیر رقم بطورِ نذرانہ و ہدیہ پیش کی۔ یہ محض نوٹوں کا مجموعہ نہیں بلکہ عقیدتوں، دعاؤں اور محبتوں کا ایک حسین گلدستہ ہے۔

یہ عمل پوری مسلم قوم کے لیے ایک خاموش نصیحت ہے کہ جو علماء و حفاظ اور ائمہ کرام دین کی بے لوث خدمت میں لگے ہیں، ان کی قدر کرنا، ان کا ہاتھ مضبوط کرنا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

اللہ تعالیٰ امام صاحب کی خدمات کو قبول فرمائے اور مقتدیوں کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

یہ اطلاع سوشل میڈیا کے ذریعہ مولانا محمد سلیم امجدی ناگوری نے پریس ریلیز میں دی ہے

آپریشن مسکان: خلیل آباد پولیس نے نابالغ بچی اور اس کی پھوپھی کو دوسری ریاست سے بحفاظت بازیاب کرا لیا

سنت کبیر نگر (اخلاق احمد نظامی)

گمشدہ بچوں اور دیگر افراد کی بحفاظت بازیابی کے لیے چلائے جا رہے آپریشن مسکان کے تحت خلیل آباد پولیس اور سرویلانس ٹیم کو بڑی کامیابی ملی ہے۔ پولیس نے گھر سے لاپتہ ہوئی نابالغ بچی اور اس کی پھوپھی کو دوسری ریاست سے بحفاظت بازیاب کر کے اہل خانہ کے سپرد کر دیا۔

ضلع پولیس کپتان جناب سندیپ کمار مینا کی ہدایت پر مذکورہ شعبہ افسر خلیل آباد پریم راج شیکھر پانڈے کی نگرانی اور انچارج انسپکٹر کوتوالی خلیل آباد جے پرکاش دوبے کی قیادت میں پولیس ٹیم نے یہ کارروائی کی۔

پولیس کے مطابق، ۲۱ اگست ۲۰۲۶ کو نابالغ بچی اور اس کی پھوپھی گھر سے باہر گئی تھیں، لیکن واپس نہیں لوٹیں۔ اہل خانہ کی اطلاع پر ۲۲ اگست کو کوتوالی خلیل آباد میں مقدمہ جرم نمبر ۷۸۲/۲۰۲۶، دفعہ ۱۳۷(۲) بی این ایس کے تحت مقدمہ درج کر کے تلاش شروع کی گئی۔

دونوں اپنے ساتھ موبائل فون بھی نہیں لے گئی تھیں۔ اس کے باوجود پولیس اور سرویلانس ٹیم نے تکنیکی شواہد کا تجزیہ کرتے ہوئے مسلسل کوششیں کیں۔ تکنیکی ذرائع سے دونوں کی دوسری ریاست میں موجودگی کی اطلاع ملی، جس کے بعد پولیس ٹیم نے ضروری کارروائی کرتے ہوئے انہیں بحفاظت بازیاب کر لیا۔

پوچھ گچھ میں دونوں کے گھر سے ناراض ہو کر دوسری ریاست جانے کی بات سامنے آئی ہے۔ ضروری کارروائی کے بعد پولیس نے دونوں کو ان کے اہل خانہ کو سونپ دیا۔

بازیابی ٹیم میں سب انسپکٹر ونے کمار پانڈے، چوکی انچارج تامیشورناتھ، کانسٹیبل منیش پربھات اور خاتون کانسٹیبل نیتو شامل رہیں۔

نیپالی پولیس و فوج کو سلام

ملک عزیز نیپال میں حالیہ دنوں آنے والے خوف ناک اور تباہ کن سیلاب کی وجہ سے ہر طرف آہ و فغاں، چیخ و پکار اور بے بسی کا عالم ہے۔ ہر کسی پر ہمالیہ کا پانی، ہمالیہ کی بلندی کی طرح رنج و الم کا پہاڑ بن کر ٹوٹ پڑا ہے۔

اس تباہ کن سیلاب میں تقریباً دس بستیاں، پچاسوں پل، سینکڑوں راستے اور ہزاروں مکانات شدید متاثر ہوئے ہیں، جب کہ بڑی تعداد میں انسان سیلابی ریلوں کی نذر ہو چکے ہیں۔ تخمینے کے مطابق ایک ہزار سے زائد اموات ہو چکی ہیں اور دو سو ارب سے زیادہ مالیت کا شدید مالی و املاک کا نقصان بھی ہوا ہے۔

ان تمام دردناک اور غم انگیز حالات کے درمیان سب سے زیادہ جرأت مندانہ اور قابلِ تحسین خدمات نیپالی افواج اور پولیس انجام دے رہی ہیں، جو بغیر کسی خوف و دہشت کے اپنی جانوں کی بازی لگا کر، تمام تر مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے، صرف انسانی ہمدردی اور خدمتِ خلق کے جذبے کے تحت لاپتہ افراد کی تلاش میں مصروف ہیں۔ بے یار و مددگار اور آفات و بلیلات کے دلدل میں پھنسے ہوئے انسانوں کی امداد رسانی، انہیں محفوظ مقامات پر منتقل کرنا اور ان کی جانیں بچانا ان کی اولین ترجیحات میں شامل ہے۔

یقیناً یہ وہ کار خیر ہے جو لائق داد و تحسین، قابلِ احترام اور سلام پیش کرنے کے لائق ہے۔ مشکل کی اس گھڑی میں نیپالی افواج اور پولیس نے جس عزم، بہادری اور انسان دوستی کا مظاہرہ کیا ہے، وہ قابلِ فخر اور قابلِ تقلید ہے۔

سوشل میڈیا کے ذریعے جہاں بہت سے دل دوز اور روح فرسا مناظر دیکھنے کو ملے، وہیں نیپالی پولیس و افواج کی جانب سے کیے جانے والے حفاظتی اقدامات، امدادی سرگرمیوں اور انسانی خدمت کے بہت سے خوب صورت اور فرحت بخش مناظر بھی دیکھنے کو ملے۔ ان مناظر کو دیکھ کر دل بے اختیار نیپالی افواج، پولیس اور حکومت کو سلامِ محبت و عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہو گیا۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالی ملک عزیز نیپال اور اس میں بسنے والے تمام افراد کی حفاظت فرمائے، قدرتی آفات سے محفوظ رکھے، زخمیوں کو صحت و عافیت عطا فرمائے اور متاثرین کو جلد از جلد ایک پُرامن، محفوظ اور خوش حال معاشرہ نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

از قلم:
محمد کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی
نائب ایڈیٹر، نیپال اردو ٹائمز